وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ (البقرة)

ترجمہ: اور اللہ تعالی اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالی بڑے فضل والا ہے۔

مجالسِ معرفت

(جلد ششم)

(بیس مجالس کے بیانات کا مجموعہ)

تالیف

ڈاکٹر سیّد محمود قادری

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا قاری محمد یامین قاسمی صاحب حیدر آبادی مدظلہ

وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○ (البقرہ:۱۰۵)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خاص کرلیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مجالسِ معرفت (جلد ششم)

(بیس مجالس کے بیانات کا مجموعہ)

TWENTY DISCOURSES ABOUT PURIFICATION OF THE SOUL (Vol-VI)

تالیف

ڈاکٹر سیّد محمود قادری

☆ خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم

باسمہٖ تعالیٰ

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام مؤلف : ڈاکٹر سید محمود قادری صاحب

سنِ اشاعت : ۲۰۲۱ء مطابق ۱۴۴۲ھ

طباعت :

کمپوزنگ : محمد انس شیخ

8147837988

بار اوّل : 1000 عدد

قیمت :

ناشر اور ملنے کا پتہ : خانقاہِ قادریہ، گوڈیہال کالونی،

جامع مسجد روڈ، وجئے پور۔ کرناٹک۔

فون نمبر: 7019429104

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے چند باکمال مریدین جو دوسرے مشائخ کے مجاز بنے۔

۱) الحاج محی الدین منیری بھٹکل

خلیفہ حضرت شاہ محمد موسیٰ مہاجر مدنی خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ

۲) موسیٰ مولانا معین اللہ ندوی اندوری

خلیفہ حضرت صوفی محمد اقبال ہوشیار پوری

۳) مولانا واضح رشید ندوی

خلیفہ حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی

۴) مولانا سید حمزہ حسنی ندوی خلیفہ حضرت صوفی محمد انعام لکھنؤی و

خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری

۵) حضرت مولانا سلمان حسنی ندوی

خلیفہ شاہ نفیس الحسینیؒ و حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب

۶) حضرت مولانا سید بلال حسنی ندوی

خلیفہ شاہ نفیس الحسینیؒ و حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب

۷) ڈاکٹر سید محمود قادری بیجاپوری

خلیفہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی مدظلہ العالی

رقم کردہ

محمود حسن حسنی ندوی۔ ۱۰ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ۔ بمقام: مکان ڈاکٹر سید محمود قادری صاحب بیجاپور۔

باسمہٖ تعالیٰ

عرضِ مولف

کرونا وائرس کے اثرات کی وجہ سے ناچیز کے بیانات رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ اور بعد کے چھ سات مہینے آن لائن ہی چلتے رہے۔ رمضان المبارک کے جو روزانہ بیانات ہوئے وہ ''ملفوظات'' کے عنوان سے پیش کئے گئے ہیں۔ اور اس کے بعد جو بیانات ہوئے ان کو مقامی و بیرونی حضرات کے تقاضوں کے پیشِ نظر مجالسِ معرفت (جلد پنجم) میں شائع کیا گیا ہے۔ جنوری ۲۰۲۱ء تک میں بھی آن لائن بیانات کا سلسلہ چلتا رہا تا آنکہ کرونا وائرس کے مرض کی شدت میں کمی ہونے کے سبب سے فروری ۲۰۲۱ء سے جمعہ کے بیانات اور ہفتہ واری خانقاہی مجالس کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ وللہ الحمد علی ذلك۔

جو واقعات یا حالات پیش آتے گئے اس کے مطابق یہ ناچیز اپنا بیان دیتا رہا۔ جب اس ناچیز نے دیکھا کہ اس وبا میں مبتلا لوگوں کی زبانوں سے منافئ ایمان باتیں نکل رہی ہیں تو اس پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھا۔ لہٰذا ارتداد کیا ہے، مرتدین کون ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا لکھنا پڑا۔ پھر خیال ہوا کہ اس قسم کے تمام گمراہ فرقوں پر لکھا جائے تو ملحدین و زنادقہ اور منافقین پر کسی قدر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ چونکہ یہ فرقے ملتِ اسلامیہ کے ساتھ ہمیشہ لگے بندھے رہیں گے،

ان کو پہچاننا اوران کے غلط عقائد سے پوری طرح احتیاط کرنا ضروری ہے ورنہ جہالت اور سادہ لوحی کی وجہ سے ہم ان کے گمراہ عقائد کا شکار ہو جائیں گے۔ الحمد للہ کہ جو کچھ بھی ان مضامین میں ہے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں لکھا، جو اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احادیث اور مستند تفاسیر اور فتاویٰ میں جو کچھ ہے جمع کر کے رکھ دیا ہے اور ہر جگہ حوالے دیئے گئے ہیں۔ قرآنی آیات کا ترجمہ کشف الرحمن (سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ) سے لیا گیا ہے۔ ناچیز کا ارادہ کسی شخص یا گروہ کو کافر، فاسق، ملحد، زندیق قرار دینے کا نہیں ہے۔ محض یہ بتانا ہے کہ یہ عقائد ارتداد، الحاد اور نفاق کے امت میں پائے جاتے ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ ناچیز کی گزارش پر محترم رفیق جناب محمد اقبال صاحب انعمدار (وظیفہ یاب وائس پرنسپل انجمن جونیئر کالج وجئے پور) نے ایک تحریر اس کتاب کے مضامین کے تعلق سے لکھی ہے جو کتاب کے شروع میں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ جن احباب نے ان مضامین کو طبع ہونے سے پہلے سنا ان کا شدید تقاضا رہا کہ ان کو ضرور شائع کیا جائے۔ کتاب کے آخر کے چھ مضامین میں ناچیز نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ حقیقی ایمان کیا ہے، ایمان کی کسوٹی کیا ہے، مثالی ایمان والے کون ہیں اور حقیقی ایمان والے کیسے ہوتے ہیں اور فلاح پانے والے ایمان والوں کی صفات کیا ہوتی ہیں؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امت کو ان مضامین کو پڑھنے، سمجھنے اور اپنی

اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ان دنوں امت جس نازک دور سے گذر رہی ہے ناچیز کو اس کا پورا احساس ہے۔اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہمارے جان و مال ہی کا نقصان کر سکتے ہیں۔اگر ہمارے پاس ایمان کی پونجی ہے تو ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔اگر یہ پونجی کھوگئی ہے تو سب کچھ مل جانے کے باوجود بھی ہم گھاٹے میں ہیں۔اسی احساس نے ناچیز کو یہ مضامین لکھنے پر آمادہ کیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد کبیر الدین قاسمی دامت برکاتہم (مہتمم مدرسہ دارالقرآن انڈی۔ضلع بیجاپور) کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آں محترم نے ناچیز کی کتاب پر تبصرہ لکھ کر کتاب کے مضامین کی اہمیت واضح کی۔

ناچیز کی کتب کے قارئین اور قدردانوں میں سے ایک فاضلِ دیوبند جناب مولانا عبدالرؤف قاسمی صاحب مدظلہ ہیں۔ناچیز نے مولانا سے گزارش کی کہ وہ مجالسِ معرفت (جلد ششم) پر اپنے خیالات کا اظہار کریں تو مولانا نے فرمایا میں اپنے استاد حضرت مولانا کلیم صدیقی صاحب دامت برکاتہم سے تبصرہ لکھوا کر روانہ کروں گا۔ان کے اس تبصرہ کے لئے میں دونوں حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حقیقی ایمان نصیب فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان و اسلام پر کرے۔آمین۔

حرفِ چند

مولانا محمد کلیم صدیقی

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

جناب ڈاکٹر سید محمود قادری زید مجدہم پیشہ سے ایک طبیب جسمانی اور ایک ایلو پیتھک ڈاکٹر ہیں، عصری تعلیم گاہوں میں انہوں نے تعلیم حاصل کی ہے، خصوصا میڈیکل کالج میں ایم بی بی ایس کی مخلوط تعلیم کے ایسے ماحول میں رہے ہیں، جس سے زیادہ آزاد اور دینی اقدار سے دور شاید کوئی اور تعلیمی نظام نہیں ہوتا، کہ اچھے اچھے دین دار جوانوں کا وہاں پر حال کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ مگر اللہ اللہ کیسی قابل رشک ان کی زندگی اور ان کی قسمت ہے کہ عشق حقیقی کی آگ نے ان کے دل کو جلا کر ایسا منور کر دیا ہے کہ وہ بلا کے روحانی طبیب حاذق بن گئے ہیں، بقول عارف ربانی حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ:

قریب جلتے ہوئے دل کے اپنا دل رکھ دے
یہ آگ خود نہیں لگتی، لگائی جاتی ہے

انہوں نے اپنے دل کے چراغ کو مخدوم العلماء، جانشین اور نمونہ اسلاف بزرگوں اور اکابرین کے روحانی علمی اور اخلاقی اقدار کے امین خصوصاً وصی الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ، شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ، میرے حضرت والا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی روحانی اور عرفانی وراثت کے امین اور سچے وارث حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم و مدظلہم العالی کے دل کی لو سے بالکل قریب کرنے اور ان سے استفادہ کا حق ادا کیا، تو اللہ تعالی نے ان کو ایسی بصیرت اور فراست مومنہ سے مالا مال فرما دیا کہ بقول جگر، ان کا یہ حال ہو گیا ہے کہ :

رندِ میخانہ تھا میں، ساقی نے یہ کیا کر دیا
کہنے والے کہہ رہے ہیں پیر میخانہ مجھے

اللہ اللہ ان اولیاء ربانیین اور حاذق اطبائے روحانی کا میخانہ معرفت، کہ یہاں تو یہ حال ہوتا ہے کہ :

مے خانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

اور ان کا حال تو یہ ہے کہ بقول علامہ اقبال :

جلا دیتی ہے شمع کشتہ کو، موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا رہتا ہے اہل دل کے سینوں میں

ڈاکٹر محمود قادری صاحب تو اس میخانہ کے آخری درجہ کے قدردان اور اپنے

مرشد کے مے خانہ معرفت سے استفادہ کا حق ادا کرنے والے اور آخری درجہ کے قدردانوں میں تھے، رب کریم نے ان پر اپنا خاص فضل فرما کر ان پر طب روحانی اور ایمانی کے اسرار منکشف فرما دیئے ہیں، اور اس نور ایمانی کے انکشاف سے ایمان و ایقان اور اصلاح باطن کے سلسلہ میں ان کی تصانیف پر تصانیف شائع ہو کر طالبین وخادمین کے لئے ایک خزانہ بلکہ خزینہ بنتی جا رہی ہیں۔اور الحمدللہ لوگ ان سے استفادہ کر رہے ہیں، ان بیش قیمت تصانیف میں سے جو ڈاکٹر سید محمود قادری کی طرف سے امت کی خدمت میں قیمتی عطیہ کے طور پر مسلسل آ رہی ہیں، مجالس معرفت کی یہ جلد ششم ہے، یہ ڈاکٹر صاحب کی ان روحانی مجالس کی چھٹی جلد ہے جو ڈاکٹر صاحب مسلسل اپنے متبعین و مریدین اور شرکائے مجلس کے درمیان فرماتے رہتے ہیں۔

فقہاء کی رائے یہ رہی ہے کہ طبیب جسمانی کے لئے بھی جب تک مرض کی تشخیص، اور مرض کے سلسلہ میں اطمینان نہ ہو جائے کہ مریض کا مرض اصلی کیا ہے، اس کا علاج کرنا اور اسے دوا دینا شرعاً جائز نہیں۔اور یہ بات بھی حق ہے کہ مرض کی تشخیص کے بغیر دوا اور علاج ممکن ہی نہیں ہے۔اس سے زیادہ روحانی امراض میں یہ اصول کارفرما ہے، اللہ تعالی جب کسی خاص بندہ کو امت میں مصلح اور طبیب روحانی بنانے کا فیصلہ فرماتے ہیں، تو اس پر امت کے امراض باطن اور رزائل کے اسرار کو کھولتے ہیں، ڈاکٹر قادری صاحب کی مجالس معرفت کی گذشتہ جلدوں کو سرسری طور

پر دیکھنے سے خصوصا جلد ششم کو پڑھنے سے یہ بات خوب سمجھ میں آتی ہے کہ رب کریم نے ان کے لئے ملت کے عمومی امراض روحانی کے طبق روشن فرما دیئے ہیں۔

مسلسل کورونا کی وبا کے مسائل در مسائل کے دوران امت میں جو یاس اور ناامیدی کی ذہنیت، اوراس پر بجائے رجوع الی اللہ کی کیفیت کے، ایک طرح کی ناامیدی، یاس اوراس پر بے دریغ کفریات بکنے کا جو حال سامنے آیا ہے وہ یقینا بے حد فکرمندی کا ہے، ڈاکٹر صاحب نے مجالس معرفت کی جلد ششم میں ان آخری درجہ میں حساس اوراہم موضوعات پر مواد جمع کیا ہے۔اصل چیز ایمان ہے جس کے بغیر نہ دنیا میں کسی انسان کو رہنے کا حق حاصل ہے اور نہ آخرت میں جس کے بغیر ہر گز ہرگز نجات ممکن ہے۔اوردل کی اس مایا ایمان کو، ایمان کا سب سے بڑا دشمن اور ڈاکو شیطان، کس کس طرح ڈاکہ ڈال کر اہل ایمان کو اس دولت عظمی سے محروم کر دیتا ہے، اوران کو اس کے چلے جانے کا احساس تک بھی نہیں ہوتا۔اللہ تعالی کے حضور بد ترین کافر جن کو منافقین کہا جاتا ہے، جن کے بارے میں خود رب کائنات نے فیصلہ سنا دیا ہے کہ:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

ترجمہ: بلاشبہ منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے

اس کی پہچان، اس کی قسموں اور علامات پر خوب سیر حاصل مواد ڈاکٹر صاحب نے جمع کر دیا ہے، اوران سب خطروں اور بیماریوں سے باخبر کر کے آخر میں جو مقصود

ہے ایمان حقیقی کا حصول اور بقا، اس پر چھ مضامین ہیں: حقیقی ایمان کیا ہے؟، ایمان کی کسوٹی کیا ہے؟، مثالی ایمان والے کون ہیں؟، حقیقی ایمان والے کیسے ہوتے ہیں ؟ اور فلاح پانے والے ایمان والے کیسے ہوتے ہیں؟۔ اس تصنیف لطیف کا اختتام اور افادیت نور علی نور ہوگئی ہے۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام مضامین میں قرآن وحدیث سے معتد بہ مواد جمع کیا گیا ہے۔

(یقینا دجالی فتنوں کے اس دور میں جب چاروں طرف سے امت کے ایمان پر ڈاکہ ڈال کر اور چور دروازوں سے نقب لگا کر کے بے شعوری طور پر اہل ایمان کو ایمان سے محروم کر کے کئی ہزاروں ہزار تحریکیں اپنے شباب پر ہیں، کرونا کی اس وبا میں تو حال اور بھی دگر گوں ہو گیا ہے، ڈاکٹر صاحب کی یہ تصنیف امت کے لئے ایک روحانی طبیب حاذق کا امت کے لئے بہت قابل قدر تحفہ ہے جو زمانہ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر وہ امت مسلمہ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں، وہ اس کے لئے بڑے شکریہ اور قدر کے مستحق ہیں۔)

ڈاکٹر سید محمود قادری زید مجدہم کی کرم فرمائی ہے کہ ماہ مبارک میں، جود وعطا اور سخاوت کے موسم بہار میں، ڈاکٹر صاحب نے اپنی تصانیف کا بیش قیمت عطیہ اس حقیر کے پاس، پھلت میں بڑے اہتمام سے بھیجا، اور جلد ششم میں اس حقیر کو بھی، اس نیکی میں شریک کرنے کے لئے کچھ لکھنے کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالی اس عنایت پر ڈاکٹر صاحب کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور اس جلد کو

گذشتہ جلدوں سے المضاعف امت کے لئے مفید بنائے، خصوصا امت کے لئے ایمان کی بقاو حفاظت کے ساتھ زیادتی ایمان کا ذریعہ بنائے۔

والسلام

خاک پائے خدام دین

محمد کلیم صدیقی

خادم جامعہ امام ولی اللہ اسلامیہ پھلت، ضلع مظفر نگر (یوپی)

۷/ ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ ۱۹/جون ۲۰۲۱ء

باسمہٖ تعالیٰ

تبصرہ

از: حضرت مولانا محمد کبیر الدین اکبرؔ قاسمی

(مہتمم مدرسہ دار القرآن انڈی۔ بیجاپور)

؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے

وہ مردِ درویش دیئے ہیں حق نے جسے اندازِ خسروانہ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

امابعد! مجھ جیسے کم علم فرومایہ کو الشاہ الحاج الحافظ الدکتور رسید محمود قادری صاحب قبلہ مدظلہ العارف زید مجدہٗ کا حکم نامہ آیا کہ حضرت موصوف کی مجالس کے سلسلۃ الذھب کی جلد ششم (مجالسِ معرفت جلد ششم) پہ تقریظ لکھوں۔ یہ حکم دراصل مجھ ہیچمدان کے لئے آزمائش سے کم نہیں ہے۔ اگر میں اس ضمن میں یہ شعر عرض کروں تو شاید موزوں ہو۔ ؎

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بہ نامِ منِ دیوانہ زدند

بندہ کی کوتاہ علمی کے مطابق دورِ عادل شاہی نیز دورِ مغلیہ کے بعد ڈاکٹر صاحب

قبلہ جیسی کوئی ایسی شخصیت ییجاپور واطراف میں نظر نہیں آتی جس میں آپ جیسی جامعیت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہو۔ کہ آں موصوف دنیاوی علوم میں مہارت کے ساتھ دینی علوم میں نہایت گہرائی اور انفرادی شان رکھتے ہیں۔ حفظِ قرآن، حفظِ احادیثِ کثیرہ کے ساتھ علومِ تفسیر، عربی ادب نیز احکامِ علومِ شعائرِ اسلامی پہ گہری نظر رکھتے ہیں۔

معمولاتِ یومیہ: معمولات سے شغف کا یہ حال ہے کہ اذکار واوراد کی پابندی، تلاوت میں سہ روزہ ختمِ قرآن، مطالعہ کتب، تصنیف وتالیف، مختلف مقامات پہ خطاب اور مجالسِ علم وعرفان، منسلکین ومریدین کے احوال کی نگرانی یہ سب کچھ پیرانہ سالی اور کئی امراض کے باوجود ہے۔

بے مثال شخصیت: ایسی بے مثال اور جامع شخصیت والوں کے لئے ہی کسی صاحبِ نظر نے کہا ہے۔ ؎

اللہ اگر توفیق نہ دے — انسان کے بس کی بات نہیں
ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تانہ بخشد خدائے بخشندہ

نمایاں وصف: محترم ڈاکٹر صاحب زید مجدہٗ کی تحریر وتقریر کی نمایاں وصف جہاں قرآن وحدیث نیز اقوالِ اکابر سے استدلال ہے وہیں آپ کی جرأت مندی وبے باکی بھی ہے۔ آپ اظہارِ حق یا ابطالِ باطل میں نہ ملامت گر کی ملامت کی فکر کرتے ہیں نہ کسی کی دنیوی شخصیت ووجاہت کی پروا۔ آپ کی ذاتِ گرامی (ولا یخافون

لومۃ لائم) کی تصویر اور درج ذیل شعر کی مصداق ہے۔ ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

الامر فوق الادب کے تحت یہ عرض ہے کہ مجالسِ معرفت کی گذشتہ پانچ جلدیں جس قدر عرق ریزی سے تیار ہو کر منصۂ شہود پہ آچکی ہیں وہ قابلِ صد ستائش ہیں کہ وہ جلدیں امت کے لئے اہم دینی معلومات کی وجہ سے انسائیکلو پیڈیا کا درجہ رکھتی ہیں۔محترم صاحبِ مجالس نے ان میں اسلامی علوم و معارف کو اسطرح پرو دیا ہے کہ قاری انہیں توجہ کے ساتھ عمل کی نیت سے پڑھے پھر عمل میں لائے تو یقیناً فلاحِ دارین حاصل کرلے۔

تالیفِ جلد ششم کا سبب : اگر درخت کی شاخیں بہت گھنی ہوں ، پتے سرسبز وشاداب ہوں،شاخوں پہ پھول اور پھل بھی ہوں لیکن اگر اس کی جڑ سوکھ جائے یا کاٹ دی جائے تو ان شاخوں کے سوکھنے میں،کلیوں اور پھولوں کے مرجھانے میں زیادہ دیر نہ لگے گی۔اگر کسی عمارت کی دیواریں مضبوط ترین ہوں،چھت کی ڈھلائی میں موٹی سلاخیں اور اعلیٰ قسم کی سمنٹ کا استعمال ہوا ہو۔دیدہ زیب اور دلکش عمارت ہو لیکن اگر معمار نے خشتِ اول ہی ٹیڑھی رکھ دی ہو،اس کی بنیاد کمزور ہوگئی ہو اور کھوکھلی ہوگئی ہو تو اس شاندار عمارت کے زمین بوس ہونے کے لئے زلزلہ کا معمولی جھٹکہ بھی کافی ہوگا۔اسی عالی شان محل کی دل فریبی،در دیوار کی مضبوطی اس کے

کچھ کام نہ آئے گی۔ ؎

جو شاخِ گل پہ آشیانہ بنے گا
وہ آشیانہ ناپائیدار ہوگا

ظاہری اعمال چاہے جس قدر زیادہ ہوں اور پسندیدہ ہوں اگر احوالِ باطنی، عقیدہ اور ایمان کمزور ہو اور خدانخواستہ اگر عقیدہ باطل، نا قابلِ قبول ہو تو پھر وہ ظاہری اعمال عنداللہ کچھ کام نہ آئیں گے اور ایسا شخص اعمال و صدقات کے باوجود آخرت میں جہنم رسید ہوگا۔ صحیح عقیدہ اور پختہ ایمان کے بغیر ظاہری اعمال ایسے ہی ہیں جیسے ریگستان میں میلوں میل پہ پھیلا ہوا سراب (ریت) جو پیاسے کو محض دھوکہ ہی دے سکتا ہے پیاس نہیں بجھا سکتا۔ کفار و مشرکین کے ایسے ہی اعمال کے لئے قرآنِ حکیم نے حبطت اعمالھم کی تہدیدی خبر دی تو کہیں خدا عز وجل نے ایسے اعمال کو ھباءا منثورا بنانے کا اعلان فرمادیا۔

اہلِ ایمان اور ایمان شکن باتیں: جب محترم ڈاکٹر صاحب شکراللہ مساعیہ نے دیکھا کہ امت کا ایک بڑا طبقہ ظاہری اعمال نماز، روزہ، صدقہ و خیرات کے باوجود ایسے اعمال و افعال کا شکار ہے جن کی بنا پر غیر محسوس طریقہ پر ارتداد کا نشانہ بن رہا ہے۔ نہ یہ خبر ہے کہ صاحبِ ایمان بنے رہنے کے لئے جن باتوں سے اجتناب ضروری ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ کونسے جملے ایک مومن کو مرتد و کافر بنا دیتے ہیں جس کی بنا پر بہت سے پشتینی مسلمان جو اپنے آپ کو سچا پکا

مسلمان سمجھتے ہیں حالانکہ وہ کچھ اعمال اور بالخصوص کسی مصیبت و ناپسندیدہ حالات کی وجہ سے ایمان سے نکل چکے ہوتے ہیں۔اعاذنا اللہ منہا۔

عقیدہ کی خرابی: بدعقیدگی ایمانیات کے لئے اس دیمک کی طرح ہے جو لکڑی کو اندر سے کھا جاتی ہے، ظاہراً لکڑی چمک رہی ہوتی ہے کہ یکا یک تنہ زمین پہ دھڑام سے گر جاتا ہے۔

امت کی بدعقیدگی اور زبان چلانے میں بے احتیاطی اور عقیدہ برباد کرنے والوں جملوں سے بے خبری کی جب حضرت مصنف موصوف کو اطلاع ہوئی تو آپ کا امت پہ شفیق دل بیقرار ہو گیا۔ چونکہ آپ امراضِ جسمانی سے بڑھ کر طبیبِ روحانی ہیں۔لہٰذا آپ کا اشہب قلم اس سمت متوجہ ہوا تو آپ نے سامعین و قارئین کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پہلے ایمان کی حقیقت، اس کے تقاضے، ایمان کی علامات سمجھائے۔ پھر نہایت تفصیل سے ارتداد، الحاد، زندقہ کو سمجھایا کہ کوئی کیسے ملحد، کافر، زندیق اور مرتد ہو جاتا ہے اور یہ کہ اسلام میں مرتدین کے ساتھ کیسا معاملہ کرنے کا حکم ہے۔مرتد مرد کی اور مرتدہ عورت کی کا سزا ہے اور صحابہ کرامؓ کا مرتدین (ایمان سے پھرنے والوں) کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا تھا۔منافق کسے کہتے ہیں۔منافق کی سزا قرآن وحدیث میں کیا بیان کی گئی ہے اور نفاق کی کیا کیا علامات ہیں۔ان تمام موضوعات کو حضرت موصوف نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ علومِ اسلامی کی روشنی میں سمجھایا ہے۔بعض مقامات پہ آپ نے وہ جملے بھی نقل کئے ہیں جنہیں لوگ وقتِ

رنج والم بے جھجک زبان سے نکال دیتے ہیں اور ارتداد کے قعرِ مذلت میں گر جاتے ہیں۔اگر کوئی قاری جلد ششم کا بالا ستیعاب عمل کی نیت سے مطالعہ کرے تو ان تمام ایمان شکن باتوں سے واقف ہو کر اپنا ایمان بچا لے جائے گا اور آخرت کی سرخروئی حاصل کر لے گا۔جس طرح ایک جسمانی طبیب کے لئے یہ ضروری ہے کہ مریض کے لئے دوا اور غذا تجویز کرتے وقت صحت کے لئے مضر چیزوں سے پرہیز بھی لکھ دے تاکہ مریض بے خبری میں ان چیزوں کو استعمال کر کے جان نہ گنوا بیٹھے یا مزید نقصان میں نہ پڑ جائے بلکہ مضر چیزوں سے پرہیز کر کے توانا وتندرست ہو جائے۔

اس سے کہیں زیادہ ایک مصلحِ قوم، ہمدردِ ملت، مصنف ومولف کے لئے یہ ضروری ہے کہ اعمالِ صالحہ کی فضیلت، صدقات کی برکات ودیگر اعمالِ حسنہ اور ایمان کی خوبی وضرورت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ضلالت وگمراہی، فسق وفجور، کفر وارتداد، نفاق والحاد کو امت کے سامنے واضح طریقہ سے پیش کرے تاکہ امت ان شنیع اعمال سے بچ کر ایمان کو محفوظ رکھ سکے۔

کرونا: اس وبائی مرض سے بچنے کے لئے ہر طرف سے تدبیریں، علاج، دوائیں، ٹیکے، ویکسین اور حفاظتی ماسک وغیرہ بتا کر قومی سلامتی کی فکر کی جارہی ہے تاکہ جانوں کی حفاظت ہو سکے۔ان تدبیریں بتانے والوں کو محسن، ہمدرد اور بہی خواہِ انسانیت سمجھا جارہا ہے تو پھر ان روحانی طبیبوں، مصنفین، مبلغین، داعیوں

اور اہلِ دل اولیاء اللہ کو تو اصلی محسن اور سچے ہمدرد ماننا چاہئیے جو ایمان وعقیدہ کی حفاظت کی تدبیریں بتانے کے لئے اپنے آرام اوقات اور گویا تن من دھن کی قربانی دے رہے ہیں اور انسانوں کو جہنم کی خطرناک وادی میں گرنے سے اور ہمیشہ کی ذلت ورسوائی سے بچنے کی تدبیریں بتانے کی سعی جمیلہ کر رہے ہیں اور گویا کمر پکڑ پکڑ کر ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے انسانیت کو بچا رہے ہیں۔ جزاھم اللہ خیرا۔

امید کہ امتِ مسلمہ اس جلد ششم کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیگی اور اس سے پورا فائدہ اٹھائے گی۔

والسلام

بندہ محمد کبیر الدین القاسمی

خادم المدرسین والطبہ مدرسہ دار القرآن انڈی، بیجاپور۔کرناٹک الہند

باسمہٖ تعالیٰ

کچھ باتیں کتاب کے مضامین کے تعلق سے

از: محمد اقبال انعمد ار صاحب
(وظیفہ یاب وائس پرنسپل انجمن جانئیر کالج وجئے پور)

ڈاکٹر صاحب پہلے تو جسمانی ڈاکٹر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی ڈاکٹر بھی بنا دیا۔ امت کے اندر جو امراض نظر آتے ہیں ان کی نشاندہی کرنا آپ کا فریضہ ہے۔ چونکہ مجالسِ معرفت (جلد ششم) میں مرتدین، ملحدین، منافقین کا ذکر ہے، کسی خاص گروہ یا شخص کو مرتد، ملحد یا منافق قرار دینے کے لئے یہ مضامین نہیں لکھے گئے ہیں بلکہ ان امراض کی نشانیاں اور علامات (Signs & Symtoms) بیان کئے گئے ہیں تاکہ امت باخبر ہو کر ان سے بچنے کا اہتمام کرے۔

فی زمانہ امت جن حالات سے گذر رہی ہے ڈاکٹر صاحب اس سے بخوبی واقف ہیں۔ چونکہ امت کا اصل سرمایہ دین وایمان ہی ہے۔ جب وہی امراضِ روحانی کا شکار ہو کر خطرہ میں پڑ گیا تو اس کی طرف توجہ دلانا نہایت ضروری ہے۔ یہی مضامین اس مجالسِ معرفت کی جلد ششم میں ہیں۔ باہر کے خطرے زیادہ سے زیادہ ہماری جان ومال لے کر ہمارا دنیا ہی کا نقصان کر سکتے ہیں مگر جب دین وایمان ہی نہ رہا تو دنیا میں ہم اللہ کی مدد کے مستحق ہوں گے اور نہ آخرت میں نجات پا سکیں گے۔

خسر الدنیا والآخرہ (دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان) کا مصداق ہوجائیں گے! ان مضامین کو بڑی سنجیدگی اور غور سے پڑھ کر اپنے عقائد اور اعمال کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی سب سے بڑی تڑپ یہی ہے کہ امت صحیح ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جائے تا کہ آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کامیاب ہو۔

قارئینِ کتاب کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب کی گزارش پر چند جملے میں نے لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

فہرست مضامین

باسمہٖ تعالیٰ

(۱) وہ جن پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قُلْنَا اھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

(البقرہ۔۳۸)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: ہم نے حکم دیا تم سب کے سب نیچے اترو اس جنت سے پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

عرصہ ہوگیا کہ عثمانیہ یونیورسٹی شعبہ فلسفہ کے صدر جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب(MA, PhD) نے ''علاج خوف وحزن'' کے نام ایک بڑی دلچسپ کتاب تصنیف فرمائی تھی۔ غالباً میں نے طالبِ علمی کے زمانہ میں اس کا مطالعہ کیا تھا۔ کتاب کا اسلوب فلسفیانہ اور انداز صوفیانہ ہے۔ یہ کتاب نایاب نہ سہی تو کمیاب ضرور ہے۔

ناچیز کا شہر وجے پور جہاں بے شمار اولیائے کرام مدفون ہیں بلا شبہ ''مدینۃ الاولیاء'' کہلانے کا مستحق ہے۔ بچپن میں بوڑھی عورتوں سے ہم نے بارہا

سنا کہ یہاں سات ولی کم ہوگئے ورنہ حج یہیں ہوتا! اولیائے کرام کے درگاہوں کی حاضری پر وہاں کے در و دیوار پر درج ذیل آیات اکثر لکھی ہوئی نظر آتی ہیں ’’اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ○‘‘۔

ناچیز کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ قرآن مجید کی وہ آیات جمع کی جائیں جن میں لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (وہ جن پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے) آیا ہے۔ چنانچہ تمام آیات اور ان کا ترجمہ لکھ کر آخر میں کچھ تبصرہ کیا جائے گا اور جو غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں وہ بھی دور کی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ جب حضرت آدمؑ کو زمین پر بھیج رہے تھے اسی وقت اس بات کا اعلان فرمایا کہ جو ہماری ہدایت کی پیروی کرے اس پر کچھ خوف اور غم نہیں ہوگا اور جو اس ہدایت کی تکذیب و انکار کرے گا وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں چلا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بے خوف اور بے غم زندگی جنت ہی کی زندگی ہے۔

(۱) قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○

(البقرہ۔۳۸،۳۹)

ترجمہ: ہم نے حکم دیا تم سب کے سب نیچے اترو اس جنت سے پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو انکار کریں گے اور ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے تو وہی لوگ اہلِ جہنم ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خَوْفٌ، آئندہ پیش آنے والی کسی تکلیف ومصیبت کے اندیشہ کا نام ہے اور حُزْن کسی مقصد ومراد کے فوت ہوجانے سے پیدا ہونے والے غم کو کہا جاتا ہے۔ غور کیا جائے تو عیش وراحت کی تمام انواع واقسام کا ان دونوں لفظوں میں ایسا احاطہ کردیا گیا ہے کہ آرام وآسائش کا کوئی فرد اور کوئی قسم اس سے باہر نہیں، پھر ان دونوں لفظوں کی تعبیر میں ایک خاص فرق کیا گیا ہے کہ خوف کی نفی تو عام انداز میں کردی گئی مگر حزن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ لَا حُزْنَ عَلَيْهِمْ بلکہ بصیغۂ فعل لایا گیا اور اس کی ضمیر فاعل کو مقدم کرکے وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ فرمایا گیا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز یا مراد کے فوت ہونے کے غم سے آزاد ہونا صرف انہی اولیاء اللہ کا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کی مکمل پیروی کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی انسان اس غم سے نہیں بچ سکتا، خواہ وہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہو یا دنیا کا بڑے سے بڑا مالدار کیونکہ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جس کو اپنی طبیعت اور خواہش کے خلاف کوئی بات پیش نہ آئے اور اس کا غم نہ ہو، جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

دریں دنیا کسی بے غم نہ باشد وگر باشد بنی آدم نہ باشد

(اس دنیا میں کوئی بھی بے غم نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ بنی آدم ہی نہیں ہے)

بخلاف اولیاء اللہ کے کہ وہ اپنی مرضی اور ارادے کو اللہ رب العزت کی مرضی اور ارادے میں فنا کردیتے ہیں، اس لئے ان کو کسی چیز کے فوت ہونے کا غم نہیں ہوتا، قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اس کو ظاہر کیا گیا ہے کہ خاص اہلِ جنت ہی کا یہ حال ہوگا کہ وہ جنت میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر کریں گے کہ ان سے غم دور کردیا گیا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (فاطر۔۳۴) ترجمہ: اور اہلِ جنت، جنت میں پہنچنے کے بعد کہیں گے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، وہ جس نے دور کردیا ہم سے غم۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں کچھ نہ کچھ غم ہونا ہر انسان کے لئے ناگزیر ہے، بجز اس شخص کے جس نے اپنا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ مکمل اور مضبوط کرلیا ہو، خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے خوب فرمایا ہے ع

جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہوجائے

اس آیت میں اللہ والوں سے خوف وغم کی نفی کرنے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی کسی تکلیف یا کسی خواہش ومراد پر ان کو خوف وغم نہ ہوگا، آخرت کی فکر وغم اور اللہ جل شانہ کی ہیبت وجلال تو ان پر اور سب سے زیادہ ہوتی ہے، اسی لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں یہ آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر غمگین اور متفکر رہتے تھے، وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فکر وغم کسی دنیوی نعمت کے فوت ہونے یا کسی

مصیبت کے خطرہ سے نہیں بلکہ اللہ جل شانہ کی ہیبت وجلال سے اور امت کے حالات کی وجہ سے تھا۔

نیز اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ دنیا میں جو چیزیں خوفناک سمجھی جاتی ہیں ان سے انبیاء واولیاء کو بشری طور پر طبعی خوف نہ ہو، کیونکہ حضرت موسیٰ ؑ کے سامنے جب لاٹھی کا سانپ بن گیا تو ان کا ڈر جانا قرآن مجید میں مذکور ہے فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی (طہ۔۶۷) ترجمہ: اور حضرت موسیٰ ؑ اپنے دل میں ڈر گئے کیونکہ یہ فطری اور طبعی خوف ابتدائے حال میں تھا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَخَفْ تو یہ ڈر بالکل نکل گیا۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کا یہ خوف عام انسانوں کی طرح اس بنیاد پر نہ تھا کہ یہ سانپ ان کو کوئی تکلیف پہنچائے گا، بلکہ اس لئے تھا کہ نبی اسرائیل اس سے کہیں گمراہی میں نہ پڑ جائیں تو یہ خوف ایک قسم کا اخروی خوف تھا۔ (معارف القرآن)

سورۂ بقرہ کی آیات کا یہی مضمون سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۳۵، اور ۴۹ میں بھی آیا ہے۔

(۲) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

(الاعراف۔۳۵)

ترجمہ: اے اولادِ آدم جب کبھی تم ہی میں سے میرے پیغمبر تمہارے پاس آئیں جو میرے احکام تم کو سنائیں سو جو شخص پرہیز کرے گا اور اپنی اصلاح کر لے گا تو ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۳) اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ○ (الاعراف۔۴۹)

ترجمہ: (اہلِ اعراف جہنمیوں سے کہیں گے) کیا یہ جنتی وہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت نہیں کرے گا۔ حالانکہ ان کو حکم دے دیا گیا کہ تم سب جنت میں چلے جاؤ تم پر نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوں گے۔

(۴) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ (البقرہ۔ ٦٢)

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور نصاریٰ اور ستارہ پرست ان میں سے جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک کام کرتا رہے تو ایسے لوگوں کو ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ملنے والا ہے اور ان کو نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہود کہتے ہیں حضرت موسیٰ ؑ کی امت کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ ؑ کی

امت کو۔ صابئین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کرلیا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔

اس مضمون کی آیت تقریباً انہی الفاظ میں سورۂ مائدہ میں بھی آئی ہے۔ یہاں یہ واضح کردینا مقصود ہے کہ ہمیں کسی فرقے سے رشتہ داری نہیں ہے اور نہ ہم کسی کی طرف داری کریں گے بلکہ چاہے مسلمان ہو، یہودی ہو، نصرانی ہو یا صابئ ہو اگر وہ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھ کر اعمالِ صالحہ کرے تو کامیاب ہوکر بے خوف و بے حزن والی جنت کی زندگی میں داخل ہوگا۔ کوئی شخص پیدائشی طور پر یا نسلاً ان فرقوں سے وابستہ ہے اور ایمان اور عملِ صالح سے خالی ہے تو وہ ہرگز کامیاب اور بامراد نہیں ہوسکتا۔

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ صرف ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور عملِ صالح کا ذکر ہے تفصیلات یہاں پیش نہیں کی گئی ہیں۔

ایمان کیا ہے؟

اَلْاِیْمَانُ ھُوَ الْاِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالتَّصْدِیْقُ بِالْجِنَانِ وَاَنَّ جَمِیْعَ مَا اَنْزَلَ اللہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ وَجَمِیْعَ مَا صَحَّ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الشَّرْعِ وَالْبَیَانِ کُلُّہٗ حَقٌّ۔ (عقیدۃ الطحاوی)

ترجمہ: ایمان زبان سے اقرار اور دل سے اس بات کی تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ

نے قرآن مجید میں جو بھی نازل فرمایا ہے اور جو کچھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرع و بیان صحت کے ساتھ ثابت ہے وہ سب حق ہے۔

جمہور محدثین شوافع مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایمان کی تعریف اس طرح ہے:

اَلْاِیْمَانُ ھُوَ التَّصْدِیْقُ بِالْجِنَانِ وَالْاِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَالْعَمَلُ بِالْاَرْکَانِ

ترجمہ: ایمان دل سے تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ہے۔

یہ دونوں اہلِ حق کی جماعت اہلِ سنت والجماعت میں سے ہیں ان کا آپس میں اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور ظاہری ہے۔

ایمان باللہ سے مراد ایمان کی تمام تفصیلات ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کی ہیں۔ ایمان کی تعریف ہی یہ ہے کہ ان ساری باتوں کی تصدیق کی جائے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اور اعمالِ صالحہ سے مراد دین کے تمام احکام ہیں، انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی، معاشی معاملات، سماجی تعلقات، سیاست وحکومت کے امور وغیرہ سب اعمالِ صالحہ میں شامل ہیں۔

ایمان کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ساری باتوں کا ماننا ضروری ہے لیکن ایک بات کا بھی جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہے اس کا انکار کفر ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں: ''مَنْ اَنْکَرَ شَیْئًا مِنْ

شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ فَقَدْ اَبْطَلَ قَوْلَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' (سیر کبیر جلد۔۴، صفحہ نمبر ۳۶۵) ترجمہ: جس نے شرائعِ اسلام میں سے کسی ایک بات کا انکار کیا اس نے اپنے لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کو باطل کر دیا۔

اعمالِ صالحہ سے دین کے وہ تمام احکام مراد ہیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں۔دین نے معاشی معاملات، سماجی تعلقات، سیاست وحکومت، صلح وجنگ اور بین الاقوامی معاملات وغیرہ تمام امور کے تعلق سے احکامات دیئے ہیں اور یہ سب اعمالِ صالحہ میں شامل ہیں۔

(۵) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ (المائدہ۔۶۹)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی اور صابئین اور نصاریٰ جو دل سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

(۶) بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ (البقرہ۔۱۱۲)

ترجمہ: یوں نہیں جو وہ کہتے ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس نے اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دیا اور وہ نیک روش کا پابند بھی رہا تو ایسے شخص کو اس کا اجر اس کے رب

کے پاس ملتا ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۷) اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًی لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ○ (البقرہ۔۲۶۲)

ترجمہ: جولوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف پہنچاتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کا ثواب ان کے رب کے ہاں محفوظ ہے اور ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۸) اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ○

(البقرہ۔۲۷۴)

ترجمہ: جولوگ رات اور دن پوشیدہ اور علانیہ اپنے مال خیرات کیا کرتے ہیں تو ان کے رب کے پاس ان کا ثواب محفوظ ہے اور ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۹) اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ○ (البقرہ۔۲۷۷)

ترجمہ: البتہ جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کی تو ان کے

رب کے پاس ان کا ثواب محفوظ ہے اور نہ ان کو کسیقسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۱۰) وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ‌ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ○ فَرِحِيۡنَ بِمَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ خَلۡفِهِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ○ (آل عمران۔۱۶۹،۱۷۰)

ترجمہ: (ان آیات میں شہداء کا حال بیان کیا گیا ہے) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو تو اے مخاطب مردہ نہ سمجھ بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو روزی عطا کی جاتی ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے اس پر وہ خوش وخرم ہیں اور وہ ان لوگوں کے متعلق بھی جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ابھی ان تک نہیں پہنچے خوش اور مطمئن کہ ان پر بھی نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے یعنی اگر شہید ہو کر آ جائیں۔

(۱۱) وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ‌ ۚ فَمَنۡ اٰمَنَ وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ○ (الانعام۔۴۸)

ترجمہ: اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں پھر جو کوئی ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کر لے تو ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

(۱۲) اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ
لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (یونس۔ ٦٢)

ترجمہ: سن رکھو جو لوگ خدا کے اولیاء (دوست) ہیں ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی بشارت وخوش خبری ہے اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں، یہ بشارت ہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

''اولیاء اللہ'' کی تعریف فرمائی یعنی مومن متقی خدا کا ولی ہوتا ہے۔ پہلے کئی مواقع میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایمان وتقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں، پس جس درجہ کا ایمان وتقویٰ کسی میں موجود ہوگا، اسی درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اس کے لئے ثابت ہوگا۔ پھر جس طرح مثلاً دس بیس روپیہ بھی مال ہے اور پچاس، سو، ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی۔ لیکن عرفِ عام میں دس بیس روپیہ کے مالک کو ''مالدار'' نہیں کہا جاتا، جب تک متعد بہ مقدار مال ودولت کی موجود نہ ہو۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایمان وتقویٰ کسی مرتبہ میں ہو، وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس حیثیت سے سب مومنین فی الجملہ ''ولی'' کہلائے جاسکتے ہیں لیکن عرفِ عام میں ''ولی'' اسی کو کہا جاتا ہے جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ ایمان وتقویٰ کا پایا جاتا ہو۔ احادیث میں کچھ علامات وآثار اس ولایت کے ذکر کئے گئے ہیں مثلاً ان کو

دیکھنے سے خدا یاد آنے لگے یا مخلوقِ خدا ان سے بے لوث محبت کرنے لگیں وغیرہ۔ ''اولیاء اللہ'' کو دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں مثلاً حق تعالیٰ نے انبیاءؑ کی زبانی جو لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ (ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا) وغیرہ کی بشارت دی ہے یا فرشتے موت کے قریب ان کو کہتے ہیں اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ (حم سجدہ۔رکوع ۴) (جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے) یا کثرت سے سچے اور مبارک خواب انہیں نظر آتے ہیں یا ان کی نسبت دوسرے بندگانِ خدا کو دکھائی دیتے ہیں جو حدیث صحیح کے موافق نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ (تفسیرِ عثمانی)

(۱۳) يٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ۝ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ۝ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ اَنۡتُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ۝ (الزخرف۔۶۸-۷۰)

ترجمہ: (اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا) اے میرے بندو آج نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم کسی طرح غم گین ہوگے۔ یہ بندے وہ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے۔ جاؤ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوشی خوشی چلے جاؤ۔

(۱۴) اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا

یَعۡمَلُوۡنَ○ (الاحقاف۔ ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: جن لوگوں نے (صدق دل سے) کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی توحید کو تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطابق قبول کیا) پھر (اس پر) مستقیم رہے (یعنی اس کو چھوڑا نہیں) سو (اس کا نتیجہ یہ ہے کہ) ان لوگوں پر (آخرت میں) کوئی خوف (کی بات واقع ہونے والی) نہیں اور نہ وہ (وہاں) غمگین ہوں گے (یہ ان کے مضرت سے بچنے کا بیان تھا، آگے اس منفعت کا ذکر ہے جو ان کو ملنے والی ہے کہ) یہ لوگ اہلِ جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے بعوض ان (نیک) کاموں کے جو کہ وہ کیا کرتے تھے۔

آیات کا خلاصہ:

(۱) بے خوف و بے حزن زندگی تو آخرت کی جنت کی زندگی ہے۔

(۲) ایمان کے بغیر جنت کا داخلہ ہی ممکن نہیں۔ ایمان اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام باتوں کی دل سے تصدیق کرنا ہے۔

(۳) اعمالِ صالحہ ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے۔ ایمان لا کر اخلاص کے ساتھ اپنے آپ کو پوری طرح شریعتِ اسلامی کے حوالے کر دینا ہے۔

(۴) بے خوف و بے حزن زندگی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مرتے دم تک آدمی ایمان و اسلام پر قائم رہے کیونکہ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔

(۵) ایمان اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے والوں کے لئے دنیا کی زندگی بھی

بڑی حدتک بے خوف و بے غم ہوجاتی ہے۔

(٦) سب سے اعلیٰ عمل شہادت (اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنا) ہے کہ شہداء کو مرتے ہی جنت کی نعمت بھری زندگی حاصل ہوجاتی ہے، جس پر وہ خوش وخرم ہوتے ہیں اور اپنے پیچھے ان ایمان والوں کے تعلق سے بھی خوشی مناتے ہیں کہ اگر وہ بھی یہاں آجائیں تو انہیں بھی یہ خوشی حاصل ہوگی۔

(۷) اولیاء اللہ جو ایمان اور تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر ہیں انہیں دنیا کی زندگی میں ہی بشارتیں شروع ہوجاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں زندگی میں ایمان اور تقویٰ پر قائم رکھے اور شہادت کی موت نصیب فرمائے۔آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۲) مختلف وباؤں کے احکام

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (المائدہ۔۳)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لئے پسند کیا اسلام کو دین پھر جو شخص سخت بھوک کی وجہ سے مجبور ہو جائے بشرطیکہ وہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

کرونا وائرس کی وبا:

ایک دینی مجلہ کے قلم کار نے یہ سوال کیا ہے کیا ہمارے دین میں اس تعلق سے کچھ رہنمائی ہے؟ ہمارا دین تو اپنے ماننے والوں کو قریب کرنا چاہتا ہے، نماز میں مل مل کر کھڑے ہونا ہے۔ مصافحہ و معانقہ بھی مسنون چیزیں ہیں۔

اوپر جو آیت تلاوت کی گئی ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہمارا دین کامل مکمل بلکہ اکمل اور آخری دین ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ علمائے یہود، حضرت عمرؓ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت نازل ہوئی کہ اگر وہ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ تو انہوں نے کہا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ... (آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے) حضرت عمرؓ نے فرمایا اس وقت تو ہماری دو عیدیں جمع تھیں ایک تو جمعہ کا دن تھا اور دوسرا عرفہ ۹ ذوالحجہ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن میدانِ عرفات میں خطبہ دیا اس وقت وہاں تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرامؓ جمع تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی ''عضباء'' پر سوار تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو اونٹنی وحی کا بوجھ برداشت نہ کر کے دبی جا رہی تھی یہاں تک کہ بیٹھ گئی۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قرآن کی آخری آیت ہے اس کے بعد احکام کے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آج دینِ حق کے تمام حدود و فرائض اور احکام و آداب مکمل کر دیئے گئے۔ اب اس میں کسی اضافہ اور زیادتی کی ضرورت باقی نہیں رہی اور نہ کسی کمی کا احتمال رہا۔ یہ بات بھی اس کے منافی نہیں کہ اصول واجتہاد کے ماتحت ائمۂ مجتہدین

نئے نئے پیش آنے والے واقعات وحالات کے متعلق اپنے اجتہاد سے احکامِ شرعیہ بیان کریں کیونکہ قرآنِ کریم نے جس طرح احکامِ شرعیہ کے حدود وفرائض وغیرہ بیان فرمائے ہیں اسی طرح اصولِ اجتہاد بھی قرآن ہی نے متعین فرما دیئے ہیں جس کے ذریعہ قیامت تک کے لئے پیش آنے والے مسائل حل کئے جائیں گے۔

اتمامِ نعمت سے مراد مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کا مغلوب اور مفتوح ہونا ہے، جس کا ظہور فتحِ مکہ کی صورت میں ہوا۔

(معارف القرآن۔جلد سوم)

تیسرا انعام اس امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو اس امت کے لئے نظامِ زندگی کی حیثیت سے پسند کیا جس پر نجات کا انحصار ہے۔ قیامت تک آنے والے انسانوں کو کوئی مسئلہ ایسا پیش نہیں آئے گا جس کا حل قرآن وحدیث میں نہیں ملے گا۔

آج سائنس کی جو ترقی نظر آرہی ہے یہ بھی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی دین ہے۔ یوروپ کی قرونِ مظلمہ Dark Age میں کسی نے نئی روشنی ''نشاۃ الثانیہ'' Renaissance کا آغاز کیا تو وہ مسلمان ہی تھے۔ نہ صرف یوروپ بلکہ تمام دنیا کے لئے نفع بخش ثابت ہوا۔ تجرباتی علم جدید سائنس (Science) کی بنیاد ڈالنے والے مسلمان ہی ہیں۔ قیاس واستخراج (Deductive logic) کے بجائے حقیقت پسند اور منطقِ استقرائی (Inductive logic) کا

تحفہ دنیا کو دینے والے مسلمان ہی ہیں۔ان تاریخی حقائق کا اعتراف فرانس کے مورخ Gastave Lebon نے کیا ہے اور رابرٹ بری فالٹ (Robert Berifault) نے اپنی کتاب تعمیرِ انسانیت (The Making of Humanity) میں اس طرح کیا ہے ''یوروپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جس نے زندگی پر اثر ڈالا ہو۔''

ذخیرۂ احادیث پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام مسلم نے بارہ احادیث طاعون کی بیماری کے تعلق سے اپنی کتاب صحیح مسلم میں ذکر کی ہیں۔

(۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ یَسْاَلُ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ مَاذَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِی الطَّاعُوْنِ؟ فَقَالَ اُسَامَةُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلطَّاعُوْنُ رِجْزٌ اَوْ عَذَابٌ اُرْسِلَ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اَوْ عَلٰی مِنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَیْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ وَقَالَ اَبُوا النَّضْرِ لَا یُخْرِجُکُمْ اِلَّا فِرَارٌ مِنْهُ (مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے پوچھا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے طاعون کے بارے میں کیا سنا ہے؟ تو حضرت اسامہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا طاعون عذاب ہے

جسے بنی اسرائیل پر یا ان لوگوں پر بھیجا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے پس جب تم سنو کہ فلاں علاقہ میں طاعون کی وبا پھیل چکی ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب تمہارے رہنے کی جگہ میں واقع ہو جائے تو اس زمین سے طاعون سے فرار ہو کر مت نکلو۔

طاعون ایک وبائی مرض ہے جو ہزاروں لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور اموات واقع ہو جاتی ہیں۔اس سلسلہ کی دوسری حدیثیں اسی مضمون کی تاکید کرنے والی ہیں۔اب ہم حضرت عمرؓ کے سفرِ شام کا ذکر آپ کو سناتے ہیں۔

(۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ اِلَى الشَّامِ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِسَرْغَ لَقِيَهُ اَهْلُ الْاَجْنَادِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَاَصْحَابُهُ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ عُمَرُ ادْعُ لِىَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ فَدَعَوْتُهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ وَاَخْبَرَهُمْ اَنَّ الْوَبَاءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ فَاخْتَلَفُوْا فَقَالَ بَعْضُهُمْ قَدْ خَرَجْتَ لِاَمْرٍ وَلَا نَرٰى اَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وَاَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا نَرٰى اَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلٰى هٰذَا الْوَبَاءِ فَقَالَ ارْتَفِعُوْا عَنِّىْ ثُمَّ قَالَ ادْعُ لِىَ الْاَنْصَارِ فَدَعَوْتُهُمْ لَهُ فَاسْتَشَارَهُمْ فَسَلَكُوْا سَبِيْلَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاخْتَلَفُوْا كَاخْتِلَافِهِمْ فَقَالَ ارْتَفِعُوْا عَنِّىْ ثُمَّ قَالَ ادْعُ لِىْ مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ مِنْ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمْ يَخْتَلِفْ عَلَيْهِ رَجُلَانِ

فَقَالُوا نَرَی اَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَلَا تُقْدِمَهُمْ عَلٰی هٰذَا الْوَبَاءِ فَنَادٰی عُمَرُ فِی النَّاسِ اِنِّیْ مُصْبِحٌ عَلٰی ظَهْرٍ فَاَصْبِحُوْا عَلَیْهِ فَقَالَ اَبُوْ عُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ اَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللهِ؟ فَقَالَ عُمَرُ لَوْ غَیْرُكَ قَالَهَا یَا اَبَا عُبَیْدَةَ وَکَانَ عُمَرُ یَکْرَهُ خِلَافَهُ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ اِلٰی قَدَرِ اللهِ اَرَاَیْتَ لَوْ کَانَتْ لَكَ اِبِلٌ فَهَبَطَتْ وَادِیًا لَهُ عُدْوَتَانِ اِحْدَاهُمَا خَصْبَةٌ وَالْاُخْرٰی جَدْبَةٌ اَلَیْسَ اِنْ رَعَیْتَ الْخَصْبَةَ رَعَیْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ وَاِنْ رَعَیْتَ الْجَدْبَةَ رَعَیْتَهَا بِقَدَرِ اللهِ قَالَ فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَکَانَ مُتَغَیِّبًا فِیْ بَعْضِ حَاجَتِهِ فَقَالَ اِنَّ عِنْدِیْ مِنْ هٰذَا عِلْمًا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ یَقُوْلُ اِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَیْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ قَالَ فَحَمِدَ اللهَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ انْصَرَفَ (تحفۃ المنعم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ شام کی طرف چلے۔ جب مقام سرغ پہنچے تو لشکر والوں میں سے حضرت عبیدہ بن جراح اور ان کے ساتھیوں سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے حضرت عمر ؓ کو خبر دی کہ شام میں وبا پھیل چکی ہے۔ حضرت ابنِ عباس ؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمر ؓ نے کہا میرے پاس مہاجرین اول کو بلاؤ۔ میں نے ان کو بلالیا۔ آپ نے ان سے مشورہ کیا اور انہیں خبر دی کہ شام میں وبا پھیل چکی ہے پس انہوں نے اختلاف کیا۔ ان میں سے

بعض نے کہا آپ جس کام کے لئے نکل چکے ہیں ہمارا خیال ہے کہ آپ واپس نہ ہوں اور بعض نے کہا آپ کے ساتھ متقدمین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہؓ ہیں ہمارے خیال میں آپ کا انہیں اس وبا میں لے جانا مناسب نہیں۔آپ نے کہا اچھا تم جاؤ۔ پھر کہا میرے پاس انصار کو بلاؤ۔ میں نے آپ کے لئے انہیں بلایا۔ آپ نے ان سے مشورہ کیا تو وہ بھی مہاجرین کے راستہ پر چلے اور ان کے اختلاف کی طرح انہوں نے بھی اختلاف کیا۔آپ نے کہا میرے پاس سے تشریف لے جائیں۔ پھر آپ نے کہا میرے پاس مہاجرین فتح مکہ سے قریشی بزرگوں کو بلاؤ۔ میں ان کو بلا لایا ان میں سے دو آدمیوں نے بھی اختلاف نہ کیا۔سب حضرات نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ واپس چلے جائیں اور ان کو اس وبا میں نہ لے جائیں۔حضرت عمرؓ نے لوگوں میں اعلان کر دیا کہ میں سواری کی حالت میں صبح کرنے والا ہوں۔پس لوگ بھی صبح سوار ہو جائیں تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے کہا کیا تم اللہ کی تقدیر سے فرار ہو رہے ہو؟ حضرت عمرؓ نے کہا اے ابوعبیدہ کاش یہ بات کہنے والا آپ کے سوا کوئی اور ہوتا اور حضرت عمران سے اختلاف کو پسند نہ کرتے تھے۔کہا ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف جا رہے ہیں۔آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کے پاس اونٹ ہوں اور آپ ایسی وادی میں اتریں جس کی دو گھاٹیاں ہوں، ان میں ایک سرسبز اور دوسری خشک اور ویران و بنجر۔اگر انہیں سرسبز و شاداب وادی میں چرائیں تو کیا یہ اللہ کی

تقدیر سے نہ ہوگا اور اگر انہیں بنجر وویران میں چرائیں تو کیا یہ تقدیرِ الٰہی سے نہ ہوگا؟ اتنے میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی آ گئے جو کہ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے موجود نہ تھے۔انہوں نے کہا میرے پاس اس (طاعون) کے بارے میں علم ہے۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا،آپ فرماتے تھے جب تم کسی علاقہ کے بارے میں اس اطلاع (وبا) کو سنو تو وہاں مت جاؤ اور جب یہ کسی علاقہ میں پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اس سے فرار اختیار کرتے ہوئے مت نکلو۔حضرت ابنِ عباسؓ نے کہا پھر حضرت عمر بن خطابؓ نے اللہ کی حمد بیان کی اور لوٹ گئے۔

''خرج الی الشام'' یہ حضرت عمرؓ کا شام کی طرف مشہور سفر ہے جو ۱۸ سنہ ھ میں واقع ہوا تھا مگر راستے سے آپ واپس آ گئے۔''سرغ'' شام کی اطراف میں ایک جگہ کا نام ہے جو جابیہ اور یرموک کے قریب واقع ہے سین پر زبر ہے را ساکن ہے۔

''ادع لی المھاجرین'' حضرت عمر فاروقؓ نے مشورہ کے لئے صحابہ کرامؓ کو ان کے رتبوں اور فضیلتوں کے اعتبار سے بلایا اور پھر مہاجرین کے تجربہ کار قریش کے شیوخ کے مشورہ پر عمل کیا کہ واپس ہو جاؤ، اور اسی دوران حضرت عبدالرحمن کی حدیث بھی مل گئی جس پر حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور واپس ہو گئے۔

''اَ کُنْتَ مُعَجِّزَهٗ'' یعنی کیا آپ اس شخص کو قصوروار ٹھہراؤ گے جو سرسبز

علاقہ کو چھوڑ کر خشک جگہ میں اونٹوں کو مصیبت میں رکھے گا؟ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا ہاں یہ اس شخص کی غلطی ہوگی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا محافظ بنایا ہے تو میں ان کو مصیبت کی جگہ سے ہٹاؤں گا یہ بھی تقدیر ہے۔

طاعونِ عمواس:

ملکِ شام میں طاعونِ عمواس بہت خطرناک وبا تھی جس میں حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، حضرت معاذؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے علاوہ ۲۵ ہزار لوگ جان بحق ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کا یہ اقدام دینی فراست اور دور اندیشی پر مبنی تھا۔

(تحفۃ المنعم)

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے بعد ملک شام کی قیادت سیدنا عمرو بن عاصؓ کے ہاتھ میں آئی تھی، اور اپنے دور میں انہوں نے اس وبائی بیماری سے بچنے کے لئے پوری ملتِ اسلامیہ کو اور خاص کر اس علاقہ میں رہنے والوں کو جو رہنمائی دی اسے ذرا غور سے سنئیے! انہوں نے فرمایا: ''الوباء کالنار وانتم وقودھا فتفرقوا وتجبلو حتی لا تجد ما یشعلھا فتنطفی''۔

وبائی بیماری آگ کی طرح ہوتی ہے، جس کا ایندھن انسان بنتے ہیں اس لئے الگ الگ ہوجاؤ، فاصلہ رکھو بہت زیادہ اختلاط مت کرو اور آج کی زبان میں Social Distancing Maintain کرو، اور فرمایا کہ پہاڑوں میں جا کر بس جاؤ، یعنی اپنی گھنی آبادی سے نکل کر کہیں دور پہاڑوں میں جا کر الگ

الگ بس جاؤ، ایسا کروگے تو آگ کو ایندھن نہیں ملے گا اور وہ بجھ جائے گی، یعنی نہ صرف یہ کہ تم اس وبا سے محفوظ رہوگے بلکہ وہ وبا ہی ختم ہوجائے گی۔تاریخِ اسلامی کے بہت عظیم محدث گذرے ہیں علامہ ابنِ حجر عسقلانی، انہوں نے تو یہ الفاظ بھی ذکر کئے ہیں کہ ’’ان ھذا رجز مثل السیل من تنکبه اخطاه ومثل النار من تنکبھا اخطاھا ومن اقام احرقته فآذته‘‘۔

یعنی یہ بیماری سیلاب کی طرح ہے؛ جو پانی کے دھارے سے بچ کر کھڑا ہوگا وہی سیلاب سے بچ پائے گا، اور یہ آگ کی طرح ہے جو دور رہے گا وہی محفوظ رہے گا، جو آگ کے قریب کھڑا ہوگا اسے آگ جلادے گی۔آپ ذرا غور کیجئے! جب صحابہ کرامؓ نظامِ فطرت کو سمجھاتے تھے تو اس وقت وہ اپنی توجہ اس عام اسبابی نظام کو سمجھانے کی طرف مرکوز رکھتے تھے،جس کے تحت اللہ نے اس دنیا کو چلانے کا فیصلہ کیا ہوا ہے، کیا آج ہم اور آپ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ گمان کرسکتے ہیں کہ ان کا یقین کمزور تھا، ان میں توکل نہیں تھا، ان میں تقویٰ کی کمی تھی، وہ معاذ اللہ معاذ اللہ غیر اللہ سے متاثر تھے، ہم اور آپ تو کیا چیز ہیں رب کعبہ کی قسم ساری دنیا کے اولیاء اللہ، ائمۂ رشد و ہدایت اور ان کا یقین وتوکل اور ان کا تقویٰ اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں ایک صحابی کا ایمان اور توکل وتقویٰ رکھ دیا جائے تو خدا کی قسم وہ پلڑا جھک جائے گا جس میں صحابی کا توکل وتقویٰ اور ایمان رکھا ہوگا۔ (ماہنامہ الفرقان مئی۔جولائی ۲۰۲۰ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو وبا کے تعلق سے جو احکام دین میں دیئے گئے ہیں ان کو جاننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دلی دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر قسم کی وباؤں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۳) دعوت نامے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ○ (الحجرات۔۱۳)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخیں اور مختلف قبیلے بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تو تم سب میں بڑا عزت والا وہ ہے جو تم سب میں بڑا پرہیزگار ہے بیشک اللہ سب کو جانتا ہے اور سب کے حال سے باخبر ہے۔

مختلف دعوت نامے، شادی بیاہ، منگنی، مکان و دکان کی افتتاح اور دیگر تقریبات کے آتے رہتے ہیں۔ ناچیز اپنی طبیعت کی معذوری کی وجہ سے اکثر حاضر نہیں ہوسکتا۔ ان رقعہ جات کو دیکھتا ہوں تو کبھی نام غلط لکھے ہوئے ہیں تو کبھی نسبت غلط کی گئی ہے۔ ادھر چند سالوں سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ لوگوں میں سید،

قادری، چشتی، پیرزادے، سجادہ نشین وغیرہ لکھنے کا رجحان بڑھ رہا ہے اور اس کو اپنے عزت اور بزرگی کا ذریعہ سمجھنے لگے ہیں۔ اسلام میں عزت اور بزرگی تقویٰ سے وابستہ ہے۔تلاوت کی گئی آیات کا شانِ نزول یہ ہے:

یہ آیت فتحِ مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریشِ مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ روزِ بد دیکھنا نہیں پڑا، اور حارث بن ہشام نے کہا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کالے کوے کے سوا کوئی آدمی نہیں جڑا کہ جو مسجدِ حرام میں اذان دے۔ ابوسفیان بولے کہ میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کر دے گا، چنانچہ جبرئیل امین تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انہوں نے اقرار کرلیا اسی پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلایا کہ فخر وعزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے جس سے تم لوگ خالی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آراستہ ہیں اس لئے وہ تم سب سے افضل واشرف ہیں۔ (مظہری عن البغوی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فتحِ مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا (تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں) طواف سے فارغ ہو کر آپ نے یہ خطبہ دیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَكَبُّرَهَا ۔ اَلنَّاسُ رَجُلَانِ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيْمٌ عَلَى اللّٰهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ تَلَا يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ الْآيَةُ .... (ترمذی وبغوی)

ترجمہ: شکر ہے اللہ کا جس نے رسومِ جاہلیت کو اس کے تکبر کو تم سے دور کر دیا، اب تمام انسانوں کی صرف دو قسمیں ہیں ایک نیک اور متقی وہ اللہ کے نزدیک شریف اور محترم ہے۔ دوسرا فاجر شقی وہ اللہ کے نزدیک ذلیل وحقیر ہے اس کے بعد اس آیت کی تلاوت فرمائی جو اوپر مذکور ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ دنیا کے لوگوں کے نزدیک عزت مال ودولت کا نام ہے اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کا۔

شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ، شعوب، شعب کی جمع ہے بہت بڑی جماعت کو شعب کہتے ہیں جو کسی ایک اصل پر مجتمع ہوں پھر ان میں مختلف قبائل اور خاندان ہوتے ہیں۔ پھر خاندانوں میں بھی بڑے خاندان اور اس کے مختلف حصوں کے عربی زبان میں الگ الگ نام ہیں۔ سب سے بڑا حصہ شعب اور سب سے چھوٹا حصہ عشیرہ کہلاتا ہے۔ اور ابو رواق کا قول ہے کہ شعب اور شعوب عجمی قوموں کے لئے بولا جاتا ہے جن کے انساب محفوظ نہیں، اور ''قبائل'' عرب کے لوگوں کے لئے جن کے انساب محفوظ چلے آتے ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے لئے۔

(معارف القرآن۔جلد ہشتم)

نسبی اور وطنی یا لسانی امتیاز میں حکمت و مصلحت تعارف کی ہے:

قرآنِ کریم نے اس آیت میں واضح کر دیا کہ حق تعالیٰ نے اگرچہ سب انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے مگر پھر اس کی تقسیم مختلف قوموں قبیلوں میں جو حق تعالیٰ ہی نے فرمائی ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں تو خاندان کے تفاوت سے ان میں امتیاز ہو سکتا ہے اور اس دور اور قریب کے رشتوں کا علم ہو سکتا ہے اور نسبی قرب و بعد کے مقدار پر ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں۔ عصبات کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے جس کی ضرورت تقسیم میراث میں پیش آتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نسبی تفاوت کو تعارف کے لئے استعمال کرو تفاخر کے لئے نہیں۔ (معارف القرآن۔جلد ہشتم)

تقویٰ کیا ہے؟

تقویٰ کی تعریف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ربیع، قتادہ اور حسن بصریؒ نے یہ فرمائی ہے جو مرفوعاً خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی منقول ہے: حَقَّ تُقَاتِہٖ هُوَ اَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَيُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى وَيُشْكَرَ وَلَا يُكْفَرَ (حقِ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے، کوئی کام طاعت کے خلاف نہ ہو اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی بھولیں نہیں اور اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں)۔ (معارف القرآن۔جلد دوم)

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس بات کو بڑی تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ عزت کا دارومدار دینداری اور تقویٰ پر ہے نہ کہ نسب اور خاندان پر۔

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ النَّاسِ اَکْرَمُ فَقَالَ اَکْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْئَلُكَ قَالَ فَاَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰهِ ابْنُ نَبِیِّ اللّٰهِ ابْنِ نَبِیِّ اللّٰهِ ابْنِ خَلِیْلِ اللّٰهِ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْئَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْاَلُوْنِّیْ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَخِیَارُکُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون شخص زیادہ معزز و مکرم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار و متقی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ سے ہمارے سوال کا مطلب یہ نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انسانوں میں سب سے زیادہ شریف و بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خدا کے نبی ہیں اور خدا کے نبی کے بیٹے خدا کے نبی کے پوتے اور خدا کے دوست (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے پڑپوتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ سے ہمارے سوال کا یہ مطلب نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو کیا تم عربوں کی خاندانی

شرافت اور ذات وحسب کی اعلیٰ خصوصیات کے اعتبار سے پوچھ رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں! ہمارے سوال کا مطلب یہی ہے، آنحضرت نے فرمایا تم میں سے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں سب سے بہتر تھے وہی اسلام میں سب سے بہتر ہیں جبکہ وہ دین میں سمجھ پیدا کریں۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ یَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِیْنَ مَاتُوْا اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ اَوْ لَیَكُوْنُنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِیْ یُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِاَنْفِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِیٌّ اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ (ترمذی، ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا لوگ اپنے (ان) باپ دادا پر فخر کرنا چھوڑ دیں جو مر چکے ہیں اور جن کی حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ دوزخ کا کوئلہ بن گئے ہیں ورنہ وہ خدا کے نزدیک گھوں (غلاظت کے کیڑے) سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہونگے جو گھوں غلاظت کو اپنی ناک سے ہٹاتا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جاہلیت کی نخوت کو اور باپ داد پر فخر کرنے کی عادت کو دور کر دیا ہے (یاد رکھو) آدمی (اب) یا تو مومن متقی ہے یا فاجر بدکار، تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

(۳) عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحَسَبُ الْمَالُ

وَالْکَرَمُ التَّقْوٰی (ترمذی، ابنِ ماجہ)

ترجمہ: حضرت حسن حضرت سمرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حسب مال داری اور کرم پرہیزگاری کا نام ہے۔

(۴) عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ تَعَزّٰی بِعَزَاءِ الْجَاھِلِیَّۃِ فَاَعِضُّوْہُ بِھَنِ اَبِیْہِ وَلَا تَکْنُوْا (شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص زمانۂ جاہلیت کی نسبت کے ساتھ اپنے کو منسوب کرلے تو اس کے باپ کے ہن کو کٹواؤ اور اس میں اشارہ کنایہ سے کام نہ لو۔

(۵) عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْسَابُکُمْ ھٰذِہٖ لَیْسَتْ بِمَسَبَّۃٍ عَلٰی اَحَدٍ کُلُّکُمْ بَنُوْا اٰدَمَ طَفُّ الصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلَؤُوْہُ لَیْسَ لِاَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِدِیْنٍ وَتَقْوٰی کَفٰی بِالرَّجُلِ اَنْ یَّکُوْنَ بَذِیًّا فَاحِشًا بَخِیْلًا (احمد، شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا نسب کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے سبب تم کسی کو برا کہو اور عار دلاؤ تم سب کے سب آدم کی اولاد ہو جس طرح ایک صاع دوسرے صاع کے برابر ہوتا ہے کہ جس کو تم نے بھرا نہ ہو کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و ترجیح نہیں ہے علاوہ دین اور تقویٰ کے، آدمی کی برائی کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ زبان دراز، فحش گوئی اور لچر باتیں کرنے والا بخیل ہو۔

ابوجہل تو قریش کا سردار تھا، جنگِ بدر میں قتل کیا گیا۔اور جب اس کو قتل کیا جارہا تھا تو کہا کہ میری گردن ذرا لمبی رکھ کر کاٹو کیونکہ میں سردار ہوں۔ابولہب تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سگا چچا تھا، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دین کی دعوت دی تو اپنے دونوں ہاتھوں سے کنکریاں پھینک کر ماری اور کہا ’’تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْم ‘‘ کیا تو نے ہمیں اسی لئے بلایا تھا؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک خاص سورت ’’سورۃ الھب‘‘ کے نام سے نازل فرمائی جس میں اس کی اور اس کی بیوی کی ابدی ہلاکت کا تذکرہ ہے۔ابوطالب بھی قریش کے سردار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سرپرستی اور نگہداشت کرتے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اسلام قبول نہیں کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سینہ سپر اور پشت پناہ بنے رہے۔ چونکہ ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لئے انہیں نجات نہیں ہوئی اور وہ جہنم میں جائیں گے اور انہیں ہلکا عذاب ہوگا۔

(۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْ طَالِبُ هُوَ مُتَنَعِّلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا کہ وہ آگ کی دو جوتیاں پہنے ہونگے جن کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا ہوگا۔

سید کون؟

(۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسن اور حسین دونوں بہشت کے جوانوں کے سردار (سید) ہیں۔

"سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ" عام خیال اس طرف جاتا ہے کہ جو لوگ جوانی میں شہید ہوئے ہیں حسن اور حسین جنت میں ان کے سردار ہوں گے، علامہ طیبی نے یہی بات لکھی ہے۔ ماہرین انساب نے اللہ کے رسول کے اس قول کے مطابق کہ حسن اور حسین سید (سردار) ہیں سے یہ اخذ کیا ہے کہ آپ دونوں کی اولاد ہی سید کہلائے گی۔

نسب سے پھر جانے اور غلط نسب کی طرف خود کو منسوب کرنے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

(۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِکُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْہِ فَقَدْ کَفَرَ (صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ دادا کے نسب سے اعراض مت کرو، جس شخص نے اپنے باپ دادا کے نسب سے اعراض کیا اس نے کفر کیا۔

(۹) عَنْ سَعْدٍ وَاَبِیْ بَکْرَۃٍ کِلَاھُمَا یَقُوْلُ سَمِعَتْ اُذُنَایَ وَوَعَاءَ قَلْبِیْ مُحَمَّدًا ﷺ مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ غَیْرُ اَبِیْہِ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْہِ حَرَامٌ (صحیح مسلم)

ترجمہ: حضرت سعدؓ اور حضرت ابوبکرہؓ دونوں روایت کرتے ہیں کہ میرے کانوں نے یہ سنا اور میرے دل نے یہ یاد رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص جانتے بوجھتے اپنے آپ کو کسی دوسرے باپ کی طرف منسوب کرے اس پر جنت حرام ہے۔

آخر یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے کہ آدمی جس خاندان سے نہیں ہے اس سے اپنا تعلق جوڑے۔

ایک واقعہ:

یہ کوئی فرضی واقعہ نہیں ہے بلکہ حقیقی واقعہ ہے۔ میری بھانجی ایک مشہور سجادہ صاحب سے بیاہی گئی ہیں۔ اتفاق سے آفس کے کام سے میں ان کے شہر گیا اور ان کے پاس قیام کیا، باتوں باتوں میں میں نے ذکر کیا کہ ایک صاحب آپ کے خاندان کی طرف اپنا سلسلہ منسوب کررہے ہیں۔ فوراً وہ آگ بگولا ہو گئے اور کہنے لگے کہ کیا ان کی ماں آکر ہمارے باپ کے پاس سوئی تھی؟!!! حدیث میں جو بات آئی ہے کہ ”اس کے باپ کے ہن کو کٹواؤ اور اس میں اشارہ کنایہ سے کام نہ لو“ سے انہوں نے کام لیا۔

دین کی راہ میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیمؑ کو اپنے باپ کے لئے استغفار کرنے سے منع کر دیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں حضرت ابراہیمؑ عرض کرینگے کہ خداوند! تیرا وعدہ ہے کہ مجھے رسوا نہ کرے گا، مگر اس سے زیادہ کیا رسوائی ہوگی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے۔ اسی وقت ان کے باپ کی صورت مسخ ہو کر ضبع (کفتار۔ بجو) کی سی ہو جائے گی اور فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے شاید یہ اس لئے ہو کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں کیونکہ رسوائی کا دارومدار شناخت پر ہے۔ جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔ (تفسیرِ عثمانی)

حضرت نوحؑ کی بیوی اور بیٹا دونوں جب آپ کے دین کے مخالف رہے اور بیٹا آپ کے سامنے ہی غرق کر دیا گیا، نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ اے اللہ میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے تھا تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ فَلَا تَسۡئَلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡئَلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ○ (ہود۔۴۶،۴۷)

ترجمہ: ارشاد ہوا اے نوحؑ! یقیناً وہ نہیں ہے تمہارے گھر والوں میں سے، بیشک اس کا عمل غیر صالح (خراب) ہے، لہٰذا تم سوال نہ کرو مجھ سے ایسی چیز جس کے

بارے میں جس کا تمہیں علم نہیں ہے بیشک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے (نہ) ہوجاؤ۔ (حضرت نوحؑ) نے کہا! اے میرے رب بیشک میں تیری پناہ میں آتا ہوں، کہ میں تجھ سے سوال کروں اس چیز کا جس کا مجھے علم نہیں ہے اگر تو نے میری مغفرت نہیں اور رحم نہیں کیا تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوجاؤں گا۔

عالمِ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے تعلق کے سوا کوئی اور تعلق کام نہیں آتا۔ حضرت جامیؒ کا یہ شعر رہ رہ کر یاد آتا ہے ؎

ترکِ نسب کن اور بندہ عشق شدی جامیؔ
کہ درایں رافلاں ابن فلاں چیز نیست

(نسب کو ترک کرو اور اللہ کے عاشق بن جاؤ کہ اس راہ میں فلاں ابنِ فلاں کوئی چیز نہیں ہے)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے سے تعلق قائم کرنے کی اور سارے تعلقات کو اللہ کے واسطے سے اور اللہ ہی کے لئے قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۴) ارتداد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ○ (البقرہ۔۲۱۷)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ الْكَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ وَالشّٰكِرِیْنَ۔

ترجمہ: اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا اور پھر حالتِ کفر ہی میں مرجائے گا تو ایسے لوگوں کے دنیا وآخرت میں سب اعمال ضائع ہوجاتے ہیں اور یہی لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

عام لوگ بلکہ بعض وہ لوگ بھی جو دیندار کہلاتے ہیں جب کسی مصیبت سے دوچار ہوجاتے ہیں تو بلاتکلف کہتے ہیں کہ اللہ نے اچھا نہیں کیا۔ انہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ کفر کا جملہ ہے۔ ویسے عام لوگ بلا جھجک ناگہانی موت یا حادثہ پر کہنے لگتے ہیں کہ اللہ کے پاس کہاں رحم ہے، اللہ رحم جھاڑ کر بیٹھا ہے! جب انتہائی ظلم سے دوچار ہوجاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس کہاں انصاف ہے، اللہ کے

پاس انصاف ہوتا تو یہ کیوں ہوتا! بعض مزاحیہ قسم کے لوگوں کی زبان سے ہم نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ اوپر بیٹھ کر تماشہ دیکھ رہا ہے، اللہ گمت گمت کر رہا ہے۔ ہماری مسجد کے ایک ذمہ دار تھے بلا تکلف کسی فتنہ پرداز شخص کے متعلق یہ کہتے ”اللہ اسے کہاں بسر کر بیٹھا ہے!“ خواتین اس معاملہ میں زبان چلانے میں بہت آگے ہیں۔ یہ تمام کفر کے جملے ہیں۔ ایمان لانے کے بعد کفر کے جملے نکالنے سے آدمی مرتد ہوجاتا ہے۔

جہالت، نفس پرستی، دنیا پرستی کی وجہ سے ہماری زندگی بڑی بے اعتدالی کا شکار ہوگئی ہے۔ نہ ہمیں اپنی زبانوں پر قابو رہتا ہے، نہ اپنے عقائد کے دائرہ میں رہتے ہیں، نہ ہمارے اعمال وافعال پابند احتیاط ہوتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری بہت سی باتیں اور اعمال جن کو ہم غیر اہم سمجھتے ہیں ہمیں کفر کے دائرہ تک پہنچا دیتی ہیں۔ بے علمی اور جہالت کی وجہ سے اس کو کالعدم یا بے اثر قرار نہیں دیا جاسکتا جیسے گھر میں کیڑے مارنے کے لئے کوئی دوا لا کر رکھی جائے اور نادان بچہ اس کو پی لے تو یقیناً اس کا اثر ہوگا اور اگر کوئی خودکشی کے ارادے سے بھی پی لے گا تو ضرور اثر ہوگا۔ جہالت اور بے علمی کو عذر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

فتاویٰ عالمگیری (فتاویٰ ہندیہ، جس کو اورنگ زیب عالمگیرؒ نے تین سو علماء کی کمیٹی بٹھا کر لکھوائی تھی اور وہ خود بھی اس کی نگرانی فرما کر رات میں سنتے تھے) میں مرتد کے احکام ومسائل کے تعلق سے بہت تفصیل سے ایک باب لکھا گیا ہے، جو

تقریباً ایک سو صفحات پر مشتمل ہے۔اسی سے چند باتیں آپ کو سنائی جارہی ہیں۔

''مرتد'' عرف عام میں اس شخص کو کہتے ہیں جو دین اسلام سے پھر جائے۔ وجودِ ایمان کے بعد کلمۂ کفر کا زبان سے ادا ہونا مرتد ہونے کا رکن ہے اور مرتد کا حکم صحیح ہونے کے لئے عقل کا ہونا شرط ہے لہٰذا مجنون اور بے عقل بچے پر مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور جس شخص پر جنون کی کیفیت مستقل طور پر طاری رہتی ہو تو اس پر مرتد کا حکم اس صورت میں لگے گا جب کہ وہ اپنے صحیح الدماغ ہونے کی حالت میں ارتداد کا مرتکب ہوا ہو، اگر وہ اس وقت ارتداد کا مرتکب ہو جب کہ اس پر جنون کی کیفیت طاری تھی تو اس پر مرتد کا حکم نہیں لگے گا، اسی طرح اس شخص پر بھی مرتد کا حکم لگانا صحیح نہیں ہوگا جو ہر وقت نشے کی حالت میں رہتا ہو اور اس کی عقل ماؤف ہو چکی ہو۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص حالتِ بلوغ میں ارتداد کا مرتکب ہو، اسی کو مرتد قرار دیا جائے جب کہ نابالغ پر بھی مرتد کا حکم لگ سکتا ہے اسی طرح مرد ہونا بھی مرتد کے حکم نافذ ہونے کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ اگر عورت ارتداد کی مرتکب ہوگی تو اس پر بھی مرتد کا حکم لگے گا۔

مرتد کا حکم نافذ ہونے کے لئے رضا و رغبت شرط ہے لہٰذا اس شخص پر مرتد ہونے کا حکم نافذ نہیں ہوسکتا جس کو مرتد ہوجانے پر مجبور کیا جائے۔

جس شخص کو برسام کی بیماری ہو اس کو کوئی ایسی چیز کھلا دی جائے جس سے اس کی عقل جاتی رہے اور ہذیان بکنے لگے اور پھر اسی حالت میں وہ مرتد ہوجائے تو

اس پر مرتد کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسی طرح جو شخص مجنون ہو یا وسواسی ہو یا کسی بھی قسم کا مغلوب العقل ہو تو اس پر بھی مرتد کا حکم نہیں لگے گا۔

جو شخص مرتد ہو جائے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے اور اگر اس کو کوئی شک وشبہ ہو تو اس کو دور کیا جائے اور پھر جب وہ دائرۂ اسلام میں آنا چاہے تو کلمۂ شہادت پڑھے اور مذہبِ اسلام کے سوا اور سب مذاہب سے بیزاری کا اظہار کرے اور اگر خاص اسی مذہب سے بیزاری کا اظہار کرے جس کے دائرہ میں وہ اسلام کو چھوڑ کر گیا تھا تو یہ بھی کافی ہوگا۔

اگر کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد پھر اسلام میں لوٹ آئے اور پھر کفر کی طرف لوٹ جائے، اسی طرح تین مرتبہ کرے اور ہر مرتبہ امام وقت سے مہلت چاہے تو امام وقت اس کو تین تین دن کی تینوں مرتبہ تو مہلت دے دے لیکن اگر وہ پھر چوتھی بار کفر کی طرف لوٹے اور مہلت طلب کرے تو اب چوتھی بار امام وقت اس کو مہلت نہ دے بلکہ اگر وہ آخری طور پر دائرۂ اسلام میں واپس آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

اگر کوئی صاحبِ عقل لڑکا مرتد ہو جائے تو اس کا مرتد حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک معتبر ہوگا لہٰذا اس کو دائرۂ اسلام میں آجانے پر مجبور کیا جائے اور اس کو قتل نہ کیا جائے یہی حکم اس لڑکے کا ہے جو قریب البلوغ ہو۔ صاحبِ عقل لڑکے سے مراد ایسی عمر کا لڑکا ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ اسلام نجات کا ذریعہ

ہے اور وہ اچھے اور برے میں اور میٹھے اور کڑوے میں تمیز کر سکتا ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک وہ لڑکا مراد ہے جو سات سال کی عمر کو پہنچ گیا ہو۔

اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو قید میں ڈالے رکھا جائے اور ہر تیسرے دن اس کو بطور تنبیہ مارا جائے تاکہ وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے دائرۂ اسلام میں آجائے لیکن اگر کوئی شخص کسی مرتد عورت کو قتل کر دے تو قاتل پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

ارتداد کا انجام:

آیتِ مذکورہ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ کے آخر میں مسلمان ہونے کے بعد کفر و ارتداد اختیار کرنے کا یہ حکم ذکر فرمایا ہے کہ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یعنی ”ان لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں سب غارت ہو جائیں گے“۔

مسئلہ: دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بی بی نکاح سے نکل جاتی ہے، اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا، حالتِ اسلام میں نماز، روزہ جو کچھ کیا تھا سب کالعدم ہو جاتا ہے، مرنے کے بعد جنازے کی نماز نہیں پڑھی جاتی، مسلمانوں کے مقابر میں دفن نہیں ہوتا۔

اور آخرت میں ضائع ہونا یہ ہے کہ عبادات میں ثواب نہیں ملتا، ابدالآباد کے لئے دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر یہ شخص پھر مسلمان ہوجائے تو آخرت میں دوزخ سے بچنے اور دنیا میں آئندہ کے لئے احکامِ اسلام کا جاری ہونا تو یقینی ہے، لیکن دنیا میں اگر حج کر چکا تو بشرط وسعت دوبارہ اس کا فرض ہونا نہ ہونا اور آخرت میں پچھلے نماز روزہ کے ثواب کا عود کرنا نہ کرنا اس میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ دوبارہ حج کو فرض کہتے ہیں، اور گذشتہ نماز و روزہ پر ثواب ملنے کے قائل نہیں اور امام شافعیؒ دونوں امر میں اختلاف کرتے ہیں۔

مسئلہ: لیکن جو کافر اصلی ہو اور اس حالت میں کوئی نیک کام کرلے اس کا ثواب معلق رہتا ہے، اگر کبھی اسلام لے آیا سب پر ثواب ملتا ہے اور اگر کفر پر مر گیا تو سب بیکار جاتا ہے، حدیث میں اسلمت علی ما اسلفت من خیر اسی معنی میں وارد ہے۔

مسئلہ: غرض مرتد کی حالت کافر اصلی سے بدتر ہے، اسی واسطے کافر اصلی سے جزیہ قبول ہوسکتا ہے اور مرتد اگر اسلام نہ لاوے اگر مرد ہے قتل کردیا جاتا ہے، اگر عورت ہے تو دوامِ حبس کی سزا دی جاتی ہے کیونکہ اس سے اسلام کی اہانت ہوتی ہے، سرکاری اہانت اسی سزا کے لائق ہے۔ (معارف القرآن۔جلد اول)

مرتد کی سزا (مرتد باجماعِ امت واجب القتل ہے):

جمہور کے نزدیک مرتد و مرتدہ دونوں واجب القتل ہیں، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرتد واجب القتل ہے اور مرتدہ واجبۃ الحبس، حتی تعود الی

الاسلام او تموت۔ قتل مرتد کا مسئلہ نصوصِ حدیث، اجماعِ امت اور عقلِ سلیم سے ثابت ہے۔

چند ہی احادیث آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں:

(۱) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِیْ قِصَّةِ رَهْطِ عُكْلٍ، قَتَلُوا الرَّاعِیَ وَاسْتَاقُوا الذَّوْدَ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ فَاَتَی الصَّرِیْخُ النَّبِیَّ ﷺ فَبَعَثَ الطَّلَبَ فَمَا تَرَجَّلَ النَّهَارُ حَتّٰی اُتِیَ بِهِمْ فَقُطِعَ اَیْدِیَهُمْ وَاَرْجُلُهُمْ ثُمَّ اَمَرَ بِمَسَامِیْرِ فَاُحْمِیَتْ فَكَحَلَهُمْ بِهَا وَطَرَحَهُمْ بِالْحَرَّةِ یَسْتَسْقُوْنَ حَتّٰی مَاتُوْا۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قبیلۂ عکل کے لوگوں نے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹ لوٹ لے گئے اور اسلام کے بعد کفر اختیار کیا، منادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور ماجرا بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے تعاقب میں کچھ لوگ بھیجے، ابھی دن چڑھا نہ تھا کہ وہ مرتد لائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے، پھر ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھروائی اور انہیں گرم پتھریلی زمین پر ڈلوا دیا۔ انہوں نے پانی طلب کیا مگر انہیں پانی نہ دیا گیا حتی کہ اسی طرح جرم ارتداد میں ذلت کی موت مر گئے۔

(۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ اَلثَّیِّبُ الزَّانِیْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ

وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهٖ اَلْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ
(مسلم، سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابنِ ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص مسلمان ہوکر گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کا خون حلال نہیں مگر ان تین وجوہ میں سے کسی ایک کے ساتھ، شادی شدہ زانی، جان کے بدلے جان اور اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت مسلمین سے الگ ہونے والا۔

(۳) قَالَتْ عَائِشَةُ اَمَّا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ دَمُ اِمْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا رَجُلٌ زَنٰى بَعْدَ اِحْصَانِهٖ اَوْ كَفَرَ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ اَوِ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ (صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابی داود)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے اس کے کہ شادی شدہ ہوکر زنا کرے یا اسلام کے بعد کفر اختیار کرے یا ناحق کسی کی جان لے۔

(۴) حضرت علیؓ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے جنہیں آپ نے آگ میں جلا دیا۔ حضرت ابنِ عباسؓ کو یہ بات پہنچی تو فرمایا اگر میں ہوتا تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرح عذاب دینے سے منع فرمایا ہے، ہاں میں انہیں قتل ضرور کرتا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو مسلمان اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کرو۔ (صحیح بخاری، سنن نسائی، سنن ابی داود، ترمذی)

اجماعِ صحابہؓ اور اجماعِ امت:

کسی مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کا اجماع پوری امت کے لئے حجت ہے۔ خلیفۃ الرسول سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی خلافت منعقد ہوتے ہی سب سے پہلے جس مسئلہ پر بلا استثناء فرد واحد پوری جماعت صحابہؓ کا قولاً، عملاً، سکوتاً ہر پہلو سے اجماع منعقد ہوا وہ قتل مرتد کا مسئلہ ہے۔ تمام ائمۂ اربعہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کی کتابوں میں بالکل واضح طور پر اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے کہ مرتد واجب القتل ہے کیونکہ اس کا جرم ہی ایسا ہے کہ روئے زمین پر کوئی حکومت ایسی نہیں ہے جو اپنے نظامِ مملکت کو یوں تتر بتر ہوتا دیکھ کر بھی خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہے، اس لئے دنیا کے ہر قانون میں باغی کی سزا قتل سے کم نہیں۔ مرتد صرف ایک ملک کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، اس کے وجود نامسعود سے انسانی معاشرہ کو پاک کرنا ضروری ہے، ناسور زدہ عضو کا کاٹ پھینکنا بے رحمی نہیں بلکہ جسم و جان کی حفاظت و بقاء کا ذریعہ ہے اور اس سے غفلت برتنا موت کو دعوت دینا ہے۔

(احسن الفتاویٰ)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دین و ایمان پر قائم رکھے اور ایمان و اسلام پر ہمیں موت عطا فرمائے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۵) کوئی شخص کب مرتد ہوتا ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا
خٰلِدُوْنَ ○ (البقرہ ۔ ۲۱۷)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ
الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ ۔

ترجمہ: اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا اور پھر حالتِ کفر ہی میں مرجائے گا تو ایسے لوگوں کے دنیا و آخرت میں سب اعمال ضائع ہوجاتے ہیں اور یہی لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

گذشتہ مجلس میں آپ کے سامنے ارتداد کی تعریف اور اس کا خطرناک جرم ہونا اور دنیا اور آخرت میں اس کا برا انجام ہونا بیان کیا گیا تھا۔ آج آپ کے سامنے یہ بات پیش کی جائے گی کہ وہ کونسے عقیدے ہیں جن کا رکھنے والا اور کیا اقوال و اعمال ہیں جن کا کرنے والا مرتد قرار دیا جاتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ کسی شخص یا گروہ کو اسلام سے خارج کر کے کافر قرار دینا ہمارا مقصد ہرگز نہیں ہے کیونکہ یہ دین

میں ایک عظیم کام ہے۔ محض یہ بتانا ہے کہ اسلام اور کفر کے حدود کیا ہیں تا کہ ہمارے مسلمان بھائی مرتے دم تک دائرۂ اسلام کے اندر رہیں اور ان کی موت آئے تو ایمان واسلام کی حالت میں آئے۔ کسی شخص کو گناہ کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جا سکتا، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ اَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ (ابوداود)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں۔ (۱) جو شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والا ہے کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر مت قرار دو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگاؤ۔ (۲) جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جہاد ہمیشہ جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے، کسی عادل حکمران کے عدل یا کسی ظالم حکمران کے ظلم کے بہانے سے جہاد کو باطل قرار نہیں دیا جائے گا اور (۳) تقدیر پر ایمان لانا۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء فصل ''تحقیق القول فی اکفار المتاولین'' میں فرمایا ہے: اِدْخَالُ كَافِرٍ فِي الْمِلَّةِ الْاِسْلَامِيَّةِ اَوْ

اِخْرَاجُ الْمُسْلِمِیْنَ عَنْہَا عَظِیْمٌ فِی الدِّیْنِ۔ (ترجمہ: کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا کسی مسلمان کو اسلام سے خارج سمجھنا دونوں چیزیں دین میں جرمِ عظیم ہیں)۔

جو کچھ بھی آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے یہ فتاویٰ عالمگیری کی خلاصہ ہے جو مظاہرِ حق میں ہے۔ عام طور پر پائی جانے والی چیزیں ہی میں پیش کررہا ہوں، نادر چیزوں کو ترک کردیا گیا ہے۔

وہ موجباتِ کفر جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے ہے:

وہ شخص کافر ہوجاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ایسے وصف کی نسبت کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں، یا اس کے پاک ناموں میں سے کسی نام کا یا اس کے احکام میں سے کسی حکم کا مذاق اڑائے یا اس کے وعدوں اور وعید کا انکار کرے یا کسی کو اس کا شریک یا بیٹا اور یا بیوی ٹھہرائے یا اس کی طرف جہل کی یا عجز کی یا کسی اور خرابی کی نسبت کرے۔ یہ کہنے والا بھی کافر ہے کہ ''یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرے جس میں کوئی حکمت نہ ہو''۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کفر پر راضی ہوتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ''اگر اللہ تعالیٰ مجھے یہ کام کرنے کا حکم دے تو میں جب بھی یہ کام نہ کروں'' تو وہ کافر ہوجائے گا۔

ایک انسان کی وفات ہوگئی، ایک دوسرے شخص نے کہا کہ خدا کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا'' تو یہ کفر ہے۔

ایک شخص نے اپنے دشمن سے کہا کہ ''میں خدا کے حکم سے تیرے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہوں'' دشمن نے جواب میں کہا کہ ''میں خدا کا حکم نہیں جانتا'' یا یہ کہا کہ اس جگہ خدا کا حکم نہیں چلتا یا یہ کہا کہ اس جگہ کوئی حکم نہیں ہے یا یہ کہا کہ خدا حکم کرنے کے لائق نہیں ہے یا یہ کہا کہ اس جگہ تو دیو ہی کا حکم چلے گا۔ یہ سب جملے کفر کو لازم کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کسی ایسے آدمی کے بارہ میں جو کبھی بیمار نہ ہوتا ہو یہ کہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھول گیا ہے'' یا یہ کہا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ بھول گیا ہے'' تو یہ کفر ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی سے یوں کہا کہ ''تیری زبان سے تو خدا بھی بس میں نہیں آتا میں کس طرح بس میں آؤں گا'' تو وہ کافر ہو جائے گا۔ کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ''تم تو اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہو'' تو وہ کافر ہو جائے گا۔ یہ کہنا کہ ''فلاں شخص بری تقدیر میں پھنس گیا ہے'' خطائے عظیم ہے۔

یہ کہنا بھی کفر ہے کہ ''(میرا حامی و مددگار) آسمان پر خدا ہے اور زمین پر فلاں شخص ہے''۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کی وہ کافر ہو گیا۔ اگر کسی شخص نے یوں کہا کہ ''اے اللہ! یہ ظلم مت پسند کر'' تو بعض علماء کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے یوں کہا کہ ''اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے انصاف کیا تو مجھے تم سے انصاف ملے گا'' تو وہ کافر

ہوجائے گا۔ ہاں لفظ ''اگر'' کی بجائے ''جس وقت'' کہا تو کافر نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی سے یوں کہا کہ ''اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن حق اور عدل کے ساتھ حکم کیا تو میں تم سے اپنا حق لے لوں گا'' کافر ہوجائے گا۔

اگر کسی نے یوں کہا کہ ''اے اللہ! جب ایک ظالم ظلم کرتا ہے تو اس کا ظلم قبول مت کر، اگر تو نے اس کا ظلم قبول کیا تو میں قبول نہیں کروں گا'' یہ کفر ہے، کیونکہ اس شخص نے گویا یہ کہا کہ اے اللہ اگر تو اس کے ظلم پر راضی ہوگا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ''جھوٹ مت کہو'' اس شخص نے جواب میں کہا کہ ''جھوٹ کس لئے ہے، کہنے ہی کے لئے تو ہے'' یہ کفر ہے۔

کسی شخص سے کہا گیا کہ ''اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرو'' اس نے کہا کہ ''مجھے نہیں چاہیئے'' یا کسی نے کہا کہ ''اگر اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کرے، غارت کروں'' یا کسی سے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی مت کرو کیونکہ اگر تم نافرمانی کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوزخ میں داخل کرے گا'' اس نے کہا کہ ''میں دوزخ سے نہیں ڈرتا'' یا کسی سے یہ کہا گیا کہ ''زیادہ مت کھاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست نہیں رکھے گا''۔ اس نے کہا کہ ''میں تو کھاؤں گا چاہے دشمن رکھے، چاہے دوست رکھے'' یہ سب باتیں کفر کو لازم کرتی ہیں۔

ایک شخص نے ابلیس لعین سے کہا کہ ''اے ابلیس! تو میرا فلاں کام کردے

تا کہ میں تیرا کہنا مانوں اور اپنے باپ کو ستاؤں اور تو جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہوں'' یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی سے یہ کہا کہ ''اگر خدا یہ دونوں جہاں نہ بناتا تو میں تم سے اپنا حق لے لیتا'' یہ کفر ہے۔ایک شخص نے کوئی جھوٹی بات کہی اور ایک سننے والے نے کہا کہ ''میرا خدا تمہارے اس جھوٹ کو سچ کر دے۔ یا یہ کہا کہ خدا تمہارے اس جھوٹ کے ساتھ برکت دے'' تو یہ کفر کے قریب ہے اسی طرح ایک شخص نے جھوٹ بولا اور سننے والے نے کہا کہ ''خدا تمہارے جھوٹ میں برکت دے'' تو وہ کافر ہوگیا۔

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ ''ان شاء اللہ تعالیٰ تم یہ فلاں کام کرو'' اس نے جواب دیا کہ ''میں ان شاء اللہ کہے بغیر یہ کام کروں گا'' تو یہ کفر ہے۔

ایک مظلوم نے کہا کہ ''میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ تقدیرِ الٰہی کے مطابق ہے'' ظالم نے یہ سن کر کہا کہ ''میں جو کچھ کر رہا ہوں تقدیرِ الٰہی کے بغیر کر رہا ہوں'' یہ کفر ہے۔اگر کسی نے یہ کہا کہ ''اے خدا مجھ پر رحم کرنے سے دریغ نہ کیجئے'' تو یہ کفریہ الفاظ میں سے ہے۔

میاں بیوی آپس میں کوئی بات کر رہے تھے (بیوی کی طرف سے) جب گفتگو کا سلسلہ دراز ہوا تو میاں نے کہا کہ ''خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو'' بیوی نے جواب میں کہا کہ ''میں اللہ سے نہیں ڈرتی'' یہ کہنے سے بیوی مرتد ہو جائے گی۔

اگر کوئی شخص خدا کے کسی حکم کو یا پیغمبر کی شریعت کو پسند نہ کرے مثلاً خدا نے چار بیویاں حلال کی ہیں کسی نے کہا کہ یہ حکم مجھے پسند نہیں تو یہ کفر ہے۔ اگر کسی شخص نے کہا کہ ''میرے حق میں تمام نیکیاں خدا نے پیدا کی ہیں اور برائی کا خالق میں ہوں'' تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص سے کہا گیا کہ ''یار! تم اپنی بیوی کے بس میں نہیں آئے'' اس نے جواب دیا کہ ''عورتوں کے بس میں خدا بھی نہیں آتا میں کیونکر بس میں آجاؤں گا'' یہ کفر ہے۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ ''خدا دوزخ بنانے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے'' تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی بدنما جانور یا بدنما انسان کو دیکھ کر کہا کہ ''کیا کوئی خدا کا کارپرداز نہیں ہے کہ اس نے اس قسم کا جانور یا انسان پیدا کیا'' تو وہ کافر ہو جائے گا۔

ایک مفلس نے شدتِ افلاس میں کہا کہ ''فلاں شخص بھی اللہ کا بندہ ہے اور اس کو اس قدر نعمتیں حاصل ہیں اور میں بھی اللہ کا بندہ ہوں اور اتنے رنج و آلام میں مبتلا ہوں، کیا یہ انصاف ہے؟'' یہ کہنے سے وہ کافر ہو گیا۔ اسی طرح ایک شخص سے کہا گیا کہ ''اللہ سے ڈر!'' اس نے جواب دیا کہ ''خدا کہاں ہے؟'' تو وہ کافر ہو گیا۔

وہ موجباتِ کفر جن کا تعلق ایمان و اسلام سے ہے:

جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ ایمان و کفر ایک ہیں تو وہ کافر ہے۔ جو شخص ایمان

پر راضی و مطمئن نہ ہو وہ کافر ہے، جو شخص اپنے نفس کے کفر پر راضی ہو وہ کافر ہے۔

اگر کسی عورت سے پوچھا گیا کہ ''توحید کیا ہے؟'' اس نے جواب میں کہا کہ ''میں نہیں جانتی'' تو اس جواب سے اس کی مراد اگر یہ ہو کہ مجھے وہ توحید (یعنی کلمۂ توحید) یاد نہیں ہے جو بچے مکتب میں پڑھا کرتے ہیں، تو اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں لیکن اگر وہ اس جواب سے یہ مراد رکھتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں پہچانتی تو اس صورت میں وہ مومنہ نہیں رہے گی اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔

اگر کوئی شخص اس حالت میں مرا کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ کوئی میرا خالق ہے، اس کے گھر کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک اور گھر بھی ہے اور یہ کہ ظلم حرام ہے تو وہ مومن نہیں تھا۔ ایک شخص گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (گناہ کے ذریعہ) اپنے اسلام کو ظاہر کرنا چاہیئے تو وہ کافر ہے۔ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میں مسلمان ہوں تو اس نے جواب میں کہا کہ تجھ پر بھی لعنت اور تیری مسلمانی پر بھی لعنت، تو وہ کافر ہو گیا۔ ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اس کے بعد اس کا (عیسائی) باپ مر گیا، اس نے کہا کہ کاش میں اس وقت مسلمان نہ ہوتا تو اپنے باپ کا مال پا جاتا'' وہ کافر ہو گیا۔ ایک کافر نے اسلام قبول کیا تو ایک مسلمان نے اس سے کہا کہ ''تمہیں اپنے دین میں کیا برائی نظر آتی تھی (جو تم نے اسلام قبول کرلیا) یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

موجبات کفر جن کا تعلق انبیاء علیہم السلام سے ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی یا توہین کرے یا آپ کی صورتِ

مبارکہ یا اوصافِ شریفہ میں کسی عیب کا اظہار کرے چاہے وہ مسلمان ہو، ذمی ہو یا حربی ہو واجب القتل ہے۔اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی نبی کی توہین اور بے ادبی، ان کی سنت پر عدم اعتقاد یا ناراضگی کفر ہے۔ روافض کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کے خوف سے بعض احکام کی تبلیغ نہیں کی کفر ہے۔ یہ کہنا کہ حضرت آدمؑ اگر گندم نہ کھاتے تو ہم بد بخت نہ ہوتے یا آدمؑ کپڑا بنتے تھے اور ہم سب جولا ہے ہیں کفر ہے۔ جو اپنے دل میں کسی نبی کے تعلق سے بغض رکھے وہ کافر ہے۔

موجباتِ کفر جن کا تعلق صحابہؓ سے ہے:

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ پر لعن طعن کرنا اور ان کی خلافت کا انکار کرنا کفر ہے۔ حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانا بھی کفر ہے۔ روافض جو تناسخِ ارواح کے قائل ہیں یا امام باطن کے ظہور کا اعتقاد رکھتے ہیں یا جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی لانے میں غلطی کی یہ سب کافر ہیں۔

موجباتِ کفر جن کا تعلق قرآن سے ہے:

جو قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ جس نے کسی آیتِ قرآنی کا انکار کیا یا مذاق کیا یا عیب لگایا کافر ہو گیا۔ قرآن کو دف کی تھاپ پر یا بانسری کی لے پر پڑھا کفر کیا۔ کوئی شخص قرآن پڑھ رہا تھا دوسرے نے سن کر کہا یہ کیا شور وغل مچا رکھا ہے کافر ہو گیا۔ ایک شخص نے دوسرے سے کہا تم نے قل ہو اللہ کی کھال کھینچ لی، الم نشرح کی گریبان پکڑ لی، انا اعطینا ک الکوثر سے بھی کوتاہ، پیالہ بھرا دیکھ کر کاساً دھاقاً،

دیگ میں بچی ہوئی چیزوں کے متعلق کہا باقیات الصالحات یہ سب جملے کہنے والا شخص کافر ہے۔کسی نے کہا کہ قرآن تو عجمی ہے کافر ہو گیا۔

موجباتِ کفر جن کا تعلق فرشتوں سے ہے:

کسی بھی فرشتہ پر عیب لگانا کفر ہے۔ملک الموت سے عداوت رکھ کر یہ کہنا فلاں کو دیکھنا ملک الموت کو دیکھنا ہے کفر ہے۔کوئی کہے کہ میں فرشتہ ہوں تو کافر ہو گیا۔اور کسی نے کہا کہ میں نبی ہوں کافر ہو گیا۔کوئی مرد کسی عورت سے بغیر گواہ کی موجودگی میں نکاح کیا اور یہ کہا میں نے خدا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فرشتوں کو گواہ بنایا کافر ہو گیا۔

موجباتِ کفر جن کا تعلق نماز، روزہ اور زکوۃ سے ہے:

کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ نماز پڑھ جواب میں وہ یہ کہے کہ مجھ سے یہ اُٹھک بیٹھک نہیں ہوتی تو وہ کافر ہو گیا۔کسی نے کہا کہ تو نے اتنی نمازیں پڑھیں تجھے کیا ملا یا میں نے اتنی نمازیں پڑھیں مجھے کیا ملا تو کافر ہو جائے گا۔کوئی بغیر وضو اور ناپاکی کی حالت میں جان بوجھ کر نماز پڑھتا ہے کافر ہو جائے گا۔کوئی نماز میں رکوع یا سجدوں کا انکار کرے حتیٰ کہ دوسرے سجدے کی فرضیت کا انکار کرے (ہر رکعت میں ایک سجدہ کو فرض سمجھے) کافر ہو جائے گا اس لئے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے اجماع اور تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔اگر کوئی موذن سے اذان دیتے وقت یہ کہا تو نے جھوٹ کہا یا یہ کہے کہ تو کیا شور وغل کرتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔

اگر کوئی رمضان المبارک کا مہینہ آنے پر یہ کہے کہ بھاری مہینہ آیا یا بھاری مہمان آیا تو کافر ہو جائے گا۔ زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں کو خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کافر قرار دے کر ان سے قتال کا ارادہ کیا۔

موجباتِ کفر جن کا تعلق علم اور علماء سے ہے:

بغیر کسی سبب کے کسی عالم دین سے بغض رکھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ دینی علوم کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے۔ کوئی بلند جگہ بیٹھے، لوگ بطور مذاق کے مسائل پوچھیں اور وہ استہزاء کے طور پر جواب دے تو کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی کہے کہ مجھے علم کی مجلس سے کیا کام، جو علماء شرعی باتیں کہتے ہیں اس پر کون عمل کر سکتا ہے تو کافر ہو جائے گا، اگر کہے پیسہ چاہئے علم دین کس کام آتا ہے کافر ہو جائے گا، یہ لوگ جو علم سیکھتے ہیں بے اصل کہانیاں ہیں جھوٹ ہے، مجھے علماء کا دھندا ناپسند ہے، کافر ہو جائے گا۔ کسی نے کہا کہ علم طلب کرنے والوں کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں دوسرے نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے کافر ہو جائے گا۔ کوئی عالم اپنی کتاب کسی دکان میں رکھ کر بھول کر چلے گئے جب ان کا گزر وہاں سے ہوا تو دکاندار نے ان سے کہا مولانا تم اپنا بسولہ ہمارے دکان میں رکھ کر بھول گئے ہو انہوں نے کہا کہ بسولہ نہیں میری کتاب رکھ کر بھول گیا ہوں تو دکاندار نے کہا بڑھائی تو بسولے سے لکڑی کاٹتا ہے اور تم مولوی لوگ کتاب سے لوگوں کی گردنیں کاٹتے ہو تو کافر ہو گیا اور ایسا کہنے والا واجب القتل ہے۔

ایک شخص نے اپنے فریق کے سامنے ائمہ دین کا فتویٰ پیش کیا اس نے فتویٰ کو رد کیا اور کہا ،تو کیا فتووں کا انبار لے کر آیا ہے تو کافر ہوگیا ۔کسی نے کہا اس بارے میں شریعت کا یہ حکم ہے دوسرے نے کہا ہم رسم پر عمل کرتے ہیں شریعت پر عمل نہیں کرتے تو کافر ہوگیا۔

موجباتِ کفر جن کا تعلق حلال وحرام سے ہے:

جو کوئی حلال چیز کے حرام ہونے یا حرام چیز کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھے تو کافر ہوگا۔کوئی شخص حرام مال فقیر کو ثواب کی نیت سے دے گا تو کافر ہوجائے گا۔ کسی سے کہا گیا حلال کھاؤ تو اس نے کہا کہ مجھے تو حرام بہت پیارا ہے' اس دنیا میں کوئی ایک شخص حلال کھانے والے کو میرے پاس لاؤ میں اس کو سجدہ کروں گا، حلال کہاں ملتا ہے اس دنیا میں مجھے تو حرام چاہیئے یہ سب کہنے والا کافر ہوگا۔

کسی فاسق کے لڑکے نے شراب پی اس کے اعزاء اور اقارب نے کہا تمہیں مبارک ہے اور اس پر روپئے نچھاور کرنے لگے تو کافر ہوجائیں گے۔کوئی شراب پی کر یہ کہہ رہا ہے کہ مسلمانی اس طرح آشکار کرنا چاہیے تو کافر ہوجائے گا۔کوئی حیض کی حالت میں بیوی سے جماع کو حلال سمجھے تو کافر ہوجائے گا۔اگر کوئی حرام کھاتے وقت یا شراب پیتے وقت یا جوا کھیلتے وقت بسم اللہ کہا تو کافر ہوجائے گا۔

موجبات کفر جن کا تعلق قیامت وآخرت سے ہے:

جو کوئی قیامت، جنت، دوزخ، میزان، پل صراط، نامۂ اعمال، مرنے کے

بعد جی اُٹھنے کا انکار کرے کافر ہوجائے گا۔ایک شخص نے کسی سے کہا گناہ نہ کر ایک دوسری دنیا ہے جہاں حساب کتاب دینا ہے تو اس نے کہا دوسری دنیا کی خبر کس کو ہے کافر ہوگیا۔کسی نے کہا اِس دنیا میں اچھا رہنا چاہیئے اُس دنیا میں جو کچھ ہوگا ہوگا، آخرت کے پیش نظر دنیا سے پرہیز کرو اس نے کہا نقد کو چھوڑ کر اُدھار پر کون بھروسہ کرے گا کافر ہوگیا۔کسی کی بیماری طویل ہوگئی تو اس نے خدا کو مخاطب کر کے کہا تو مجھے موت دے دے چاہے اسلام کی حالت میں ہو یا کفر کی حالت میں، کافر ہوگیا۔ مصیبتوں میں مبتلا شخص نے کہا یا اللہ تو نے میرا مال لیا میری اولاد لی تو میرے ساتھ یہ سب کیا کر رہا ہے تو کافر ہوجائے گا۔

موجباتِ کفر جن کا تعلق کفر اور تلقینِ کفر سے ہے:

جب کوئی کسی کو کلمۂ کفر کی تلقین کرے چاہے وہ کھیل کود یا ہنسی مذاق کے طور پر ہی ہو کافر ہوجائے گا۔کسی کو کلمۂ کفر نکالنے کے لئے مجبور کیا گیا تو اس نے کلمۂ کفر کہہ دیا مگر دل میں ایمان پر اطمینان تھا تو کافر نہیں ہوا۔کسی شخص کی زبان پر غلطی سے کلمۂ کفر نکل گیا بولنا کچھ چاہتا تھا نکل گیا کچھ اور تو کافر نہیں ہوا۔ بادشاہ یا امیر کو سجدۂ تعظیمی کرنے پر کافر نہ ہوگا۔سجدۂ بندگی کرے گا تو کافر ہوگا۔کفار و مشرکین کی عیدوں کی تعظیم کرنے والا کافر ہوجائے گا۔کفار کی باتوں اور ان کے معاملات کو اچھا جاننے والا کافر ہوجائے گا۔مثلاً فلاں مذہب میں یہ طریقہ بہت اچھا ہے، حیض کی حالت میں بیوی کے ساتھ لیٹنے بھی نہیں دیتے تو کافر ہوجائے گا۔جو جانور کسی

دیوی دیوتا یا بزرگ کے نامزد کر کے شہرت دی گئی جیسے شیخ سدو کا بکرا، احمد کبیر کی گائے اور مدار صاحب کا مرغا یہ سب کفر کی باتیں ہیں۔ بزرگوں کے مزارات پر، کسی دریا کے کنارے، کسی آستانہ پر جانور ذبح کرے بسم اللہ پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو ہر صورت میں حرام ہے۔ کیوں کہ جب غیر اللہ کے نام پر نامزد ہو چکا ہے تو بسم اللہ پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کسی نے اپنے کمر پر زنار باندھ رکھا ہے کافر ہو جائے گا۔ کسی نے اپنی بیوی کو مارا تو اس نے کہا تو مسلمان نہیں ہے تو اس نے کہا ہاں میں مسلمان نہیں ہوں تو کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص نے کہا کہ میں فرعون ہوں، میں ابلیس ہوں تو کافر ہو جائے گا۔ کسی خوب صورت عیسائی عورت کو دیکھ کر یہ آرزو کرے کاش کہ میں عیسائی ہوتا تو اس عورت سے بیاہ کرتا کافر ہو جائے گا۔ ایک شخص نے کسی سے کہا حق بات پر تو میری مدد کر تو اس نے کہا میں حق بات پر تیری مدد نہیں کرتا ناحق پر تیری مدد کروں گا تو کافر ہو جائے گا۔

ایک شخص نے کہا میں عذاب وثواب سے بری ہوں تو کافر ہو جائے گا۔ کسی نے کہا فلاں شخص جو کرے گا میں بھی وہی کروں گا اگر چہ کہ کفر ہی کیوں نہ ہو تو کافر ہو جائے گا۔ ایک فقیر کالی کملی اوڑھے ہوئے تھا کسی نے مدثر کہا تو یہ کفر ہے۔ خراج کو بادشاہ کی ذاتی ملکیت سمجھے تو کافر ہو جائے گا۔ کوئی شخص دوسرے کے ساتھ برائی سے پیش آیا تو اس نے کہا یہ سب مصیبت تیری لائی ہوئی ہے خدا کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے تو کافر ہو جائے گا۔ کوئی بادشاہ کی خوشنودی کے لئے تخت نشینی یا خلعت پوشی

کے وقت قربانی کرے تو کافر ہو جائے گا۔کوئی یہ کہتا ہے کہ جب تک خیانت نہ کروں، جھوٹ نہ بولوں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تو کافر ہو جائے گا۔کسی کے غصہ کو دیکھ کر دوسرا کہتا ہے کہ غصہ سے بہتر تو کفر ہی ہے تو کافر ہو جائے گا۔کسی نے ناجائز بات کہی دوسرے نے کہا اس بات سے کفر لازم آتا ہے تو اس نے کہا مجھ پر کفر لازم آتا ہے تو تم کیا کرو گے تو کافر ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو عقائد، اقوال اور اعمال کے لحاظ سے اسلام کے دائرہ میں قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(٦) مرتدین کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا سلوک

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی
اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ
یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ
اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○ (المائدہ۔ ۵۴)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ
الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! جوکوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو بہت جلد اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن کو اللہ پسند کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے وہ مسلمانوں پر مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے اور وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ خوبیاں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا صاحبِ وسعت اور سب جاننے والا ہے۔

اس آیت میں اسلام کی ابدی بقاء اور حفاظت کے متعلق عظیم الشان پیشین

گوئی کی گئی ہے پچھلی آیات میں کفار کی موالات سے منع کیا گیا تھا۔ممکن تھا کہ کوئی شخص یا قوم موالات کفار کی بدولت صریحاً اسلام سے پھر جائے، جیسا کہ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ (تم سے جو بھی ان سے دوستی کرے گا انہی میں سے ہوگا) میں تنبیہ کی گئی ہے۔قرآن کریم نے نہایت قوت اور صفائی سے آگاہ کردیا کہ ایسے لوگ اسلام سے پھر کر کچھ اپنا ہی نقصان کریں گے، اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، حق تعالیٰ مرتدین کے بدلے میں ان کے مقابلہ پر ایسی قوم لے آئے گا جن کو خدا کا عشق ہو اور خدا ان سے محبت کرے، وہ مسلمانوں پر شفیق و مہربان اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہوں گی۔ یہ پیشین گوئی بحول اللہ قوتہ ہر قرن میں پوری ہوتی رہی۔ ارتداد کا سب سے بڑا فتنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صدیقِ اکبرؓ کے عہد میں پھیلا۔ کئی طرح کے مرتدین اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے۔مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی جرأت اور اعلیٰ تدبر اور مخلص مسلمانوں کی سرفروشانہ اور عاشقانہ خدمات اسلام نے اس آگ کو بجھایا اور سارے عرب کو متحد کرکے ازسرنو اخلاص وایمان کے راستہ پر گامزن کردیا۔آج بھی ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جب کبھی چند جاہل اور طامع افراد اسلام کے حلقہ سے نکلنے لگتے ہیں تو ان سے زیادہ اور ان سے بہتر تعلیم یافتہ اور محقق غیر مسلموں کو اسلام فطری کشش سے اپنے اندر جذب کرلیتا ہے اور مرتدین کو سرکوبی کے لئے خدا ایسے وفادار اور جان نثار مسلمانوں کو کھڑا کردیتا ہے جنہیں خدا کے راستہ میں کسی کی

ملامت اور طعن و تشنیع کی پروانہیں ہوتی۔ (تفسیرِ عثمانی)

مسلمان غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی، عدل وانصاف، احسان وسلوک سب کچھ کر سکتے ہیں، ان کو اس کی تعلیم دی گئی ہے لیکن ایسی گہری دوستی اور خلط ملط جس سے اسلام کی امتیازی نشانات گڈمڈ ہوجائیں اس کی اجازت نہیں۔ یہی وہ مسئلہ ہے جو ''ترکِ موالات'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ چوتھی آیت میں بتایا گیا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ گہری دوستی اور خلط ملط کی جو ممانعت کی گئی ہے یہ خود مسلمانوں ہی کے مفاد کے خاطر ہے، ورنہ اسلام وہ دینِ حق ہے جس کی حفاظت کا ذمہ حق تعالیٰ نے خود لے لیا ہے، کسی فرد یا جماعت کی کجروی یا نافرمانی تو بجائے خود ہے۔

اگر مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت سچ مچ اسلام ہی کو چھوڑ بیٹھے اور بالکل ہی مرتد ہوکر غیر مسلموں میں مل جائے اس سے بھی اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا کیونکہ قادرِ مطلق جو اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے فوراً کوئی دوسری قوم میدانِ عمل میں لے آئے گا جو اس کے دین کی حفاظت اور اشاعت کے فرائض انجام دے گی، اللہ تعالیٰ کے کام نہ کسی ذات پر موقوف ہیں نہ کسی بڑی سے بڑی جماعت یا ادارہ پر۔ وہ جب چاہتے ہیں تو تنکوں سے شہتیر کا کام لے لیتے ہیں، ورنہ شہتیر پڑے کھاد ہوتے رہتے ہیں، کسی نے خوب کہا ہے ؎

اِنَّ الْمَقَادِیْرَ اِذَا سَاعَدَتْ اَلْحَقَتِ الْعَاجِزَ بِالْقَادِرِ

ترجمہ: تقدیرِ الٰہی جب کسی کی مددگار ہو جاتی ہے تو ایک عاجز و بیکار سے قادر و توانا کا کام لے لیتی ہے۔

اس آیت میں جہاں یہ ذکر فرمایا کہ مسلمان اگر مرتد ہو جائیں تو پروا نہیں، اللہ تعالیٰ ایک دوسری جماعت کھڑی کر دے گا، وہاں اس پاکباز جماعت کے کچھ اوصاف بھی بیان فرماتے ہیں کہ یہ جماعت ایسے اوصاف کی حامل ہوگی۔ دین کی خدمت کرنے والوں کو ان اوصاف کا خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ آیت سے معلوم ہوا کہ ان اوصاف و عادات کے حامل لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و محبوب ہیں۔

ان کی پہلی صفت قرآنِ کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے۔ اس صفت کے دو جز ہیں۔ ایک ان لوگوں کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ، یہ تو کسی نہ کسی درجہ میں انسان کے اختیار میں سمجھی جا سکتی ہے کہ ایک انسان کو کسی کے ساتھ اگر طبعی محبت نہ ہو تو کم از کم عقلی محبت اپنے عزم و ارادہ کے تابع رکھ سکتا ہے، اور طبعی محبت بھی اگرچہ اختیار میں نہیں، مگر اس کے بھی اسباب اختیاری ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور قدرتِ کاملہ اور انسان پر اس کے اختیارات و انعامات کا مراقبہ اور تصور لازمی طور پر انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت طبعی بھی پیدا کر دیتا ہے۔

لیکن دوسرا جز یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت ان لوگوں کے ساتھ ہوگی، اس میں تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اختیار و عمل کا کوئی دخل اس میں نہیں، اور جو چیز

ہماری قدرت واختیار سے باہر ہے اسے سنانے اور بتلانے کا بھی بظاہر کوئی حاصل نہیں نکلتا۔

لیکن قرآن کریم کی دوسری آیات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ محبت کے اس جز کے اسباب بھی انسان کے اختیار میں ہیں، اگر وہ ان اسباب کا استعمال کرے تو اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے ساتھ لازمی ہوگی، اور وہ اسباب آیتِ قرآن قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ میں مذکور ہیں، یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ لوگوں کو بتلا دیجئے کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمانے لگیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائیں اس کو چاہیئے کہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کا محور بنالے اور زندگی کے ہر شعبے اور ہر کام میں سنت کے اتباع کا التزام کرے، تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سے محبت فرمائیں گے، اور اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کفر وارتداد کا مقابلہ وہی جماعت کرسکے گی جو متبعِ سنت ہو، نہ احکامِ شرعیہ کی تعمیل میں کوتاہی کرے، اور نہ اپنی طرف سے خلافِ سنت اعمال کو اور بدعات کو جاری کرے۔

دوسری صفت اس جماعت کی یہ بتلائی گئی ہے کہ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے)، اس میں لفظ اَذِلَّہ حسبِ تصریح قاموس ذلیل یا ذلول دونوں کی جمع ہوسکتی ہے، ذلیل کے معنی

عربی زبان میں وہی ہیں جو اردو وغیرہ میں معروف ہیں، اور ذلول کے معنی ہیں نرم اور سہل الانقیاد، یعنی جو آسانی سے قابو میں آجائے، جمہور مفسرین کے نزدیک اس جگہ یہی معنی مراد ہیں، یعنی یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے نرم ہوں گے اگر کسی معاملہ میں اختلاف بھی ہوا تو آسانی سے قابو میں آجائیں گے،۔ جھگڑا چھوڑ دیں گے، اگر چہ وہ اپنے جھگڑے میں حق بجانب بھی ہوں، جیسا کہ حدیث صحیح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے: اَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِیْ رِبْضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ ”یعنی میں اس شخص کو وسطِ جنت میں گھر دلوانے کی ذمہ داری لیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے“۔

تو حاصل اس لفظ کا یہ ہوا کہ یہ لوگ مسلمانوں سے اپنے حقوق اور معاملات میں کوئی جھگڑا نہ رکھیں گے، دوسرا لفظ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (کافروں پر سخت ہوں گے) آیا، اس میں بھی اَعِزَّ ة، عزیز کی جمع ہے جس کے معنی غالب، قوی اور سخت کے آئے ہیں، مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے دین کے مخالفوں کے مقابلہ میں سخت اور قوی ہیں اور وہ ان پر قابو نہ پاسکیں گے۔

اور دونوں جملوں کو ملانے کا حاصل یہ نکل آیا کہ یہ ایک ایسی قوم ہوگی جس کی محبت وعداوت اور دوستی، دشمنی اپنی ذات اور ذاتی حقوق ومعاملات کے بجائے صرف اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کی خاطر ہوگی، اسی لئے ان کی لڑائی کا رخ اللہ ورسول کے فرمانبرداروں کی طرف نہیں بلکہ اس کے دشمنوں اور نافرمانوں

کی طرف ہوگا، یہی مضمون ہے سورۂ فتح کی اس آیت کا: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (کفار پر سخت اور آپس میں رحم کرنے والے)

پہلی صفت کا حاصل حقوق کی تکمیل تھا، اور دوسری صفت کا حاصل حقوق العباد اور معاملات کا اعتدال ہے، تیسری صفت اس جماعت کی یہ بیان فرمائی: يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، یعنی یہ لوگ دینِ حق کی اشاعت اور برتری کے لئے جہاد کرتے رہیں گے اس کا حاصل یہ ہے کہ کفر و ارتداد کے مقابلہ کے لئے صرف معروف قسم کی عبادت گذاری اور نرم و سخت ہونا کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اقامتِ دین کا جذبہ بھی ہو، اسی جذبہ کی تکمیل کے لئے چوتھی صفت یہ بتلائی گئی وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ، یعنی اقامتِ دین اور کلمۂ حق کے سربلند کرنے کی کوشش میں یہ لوگ کسی ملامت کی پروانہ کریں گے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی تحریک کو چلانے والے کی راہ میں دو قسم کی چیزیں حائل ہوا کرتی ہیں، ایک مخالف قوت کا زور دوسرے اپنوں کے لعن طعن اور ملامت، اور تجربہ شاہد ہے کہ جو لوگ تحریک چلانے کے لئے عزم لے کر کھڑے ہوتے ہیں، اور اکثر حالات میں مخالف قوت سے تو مغلوب نہیں ہوتے، قید و بند اور زخم و خون سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں، لیکن اپنوں کے طعنوں اور تشنیع و تقبیح سے بڑے بڑے عزم والوں کے قدم میں لغزش آجاتی ہے، شاید اسی لئے حق تعالیٰ نے اس جگہ اس کی اہمیت جتلانے کے لئے اس پر اکتفاء فرمایا کہ یہ لوگ کسی کی ملامت

کی پرواکئے بغیر اپنا جہاد جاری رکھتے ہیں۔

آخر آیت میں بھی بتلادیا کہ یہ صفات اور خصائلِ حسنہ اللہ تعالیٰ ہی کے انعام ہیں، وہی جس کو چاہتے ہیں عطافرماتے ہیں، انسان محض اپنے سعی وعمل سے بغیر فضلِ خداوندی کے ان کو حاصل نہیں کرسکتا۔

آیت کے الفاظ کی تشریح سے یہ واضح ہوچکا کہ اگر مسلمانوں میں کچھ لوگ مرتد بھی ہوجائیں تو دینِ اسلام کو کوئی گزند نہ پہنچے گا، بلکہ اس کی حفاظت وحمایت کے لئے اللہ جل شانہٗ ایک اعلیٰ اخلاق واعمال کی جماعت کو کھڑا کردیں گے۔

جمہور مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت درحقیقت آنے والے فتنہ کی پیشین گوئی اوراس کا ہمت سے مقابلہ کرکے کامیاب ہونے والی جماعت کے لئے بشارت ہے، آنے والا وہ فتنۂ ارتداد ہے جس کے کچھ جراثیم تو عہدِ نبوت کے بالکل آخری ایام میں پھیلنے لگے تھے، اور پھر بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عام ہوکر پورے جزیرۃ العرب میں اس کا طوفان کھڑا ہوگیا اور بشارت پانے والی وہ جماعت صحابہ کرامؓ کی ہے جس نے خلیفۂ اول صدیقِ اکبرؓ کے ساتھ مل کر اس فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا۔

واقعات یہ تھے کہ سب سے پہلے تو مسیلمۂ کذاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ شریکِ نبوت ہونے کا دعویٰ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بنوت کا اقرار کرتا تھا مگر یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت میں مجھے آپ کے ساتھ شریک کیا ہے اور

یہاں تک جرأت کی کہ آپ کے قاصدوں کو کہہ کر واپس کر دیا کہ اگر بمصلحت تبلیغ واصلاح یہ دستور عام نہ ہوتا کہ قاصدوں اور سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا، مسیلمہ اپنے دعوے میں کذاب تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کے خلاف جہاد کا موقع نہیں ملا، یہاں تک کہ وفات ہوگئی۔

اسی طرح یمن میں قبیلہ مذحج کے سردار اسود عنسی نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی طرف سے مقرر کئے ہوئے حاکمِ یمن کو اس کا مقابلہ کرنے کا حکم دے دیا، مگر جس رات میں اس کو قتل کیا گیا اس کے اگلے دن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات ہوگئی، صحابہ کرامؓ تک اس کی خبر ربیع الاول کے آخر میں پہنچی، اسی طرح کا واقعہ قبیلۂ بنواسد میں پیش آیا، کہ ان کا سردار طلیحہ بن خویلد خود اپنی نبوت کا مدعی بن گیا۔

یہ تین اشخاص کی جماعتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرضِ وفات ہی میں مرتد ہوچکی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کی خبر نے اس فتنۂ ارتداد کو ایک طوفانی شکل میں منتقل کر دیا، عرب کے سات قبیلے مختلف مقامات پر اسلام اور اس کی حکومت سے منحرف ہوگئے، اور خلیفۂ وقت ابوبکر صدیقؓ کو اسلامی قانون کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔

وفاتِ سرورِ کائنات کے بعد ملک وملت کی ذمہ داری خلیفۂ اول حضرت صدیقِ اکبرؓ پر عائد ہوئی، ایک طرف ان حضرات پر اس حادثۂ عظیم کا

صدمۂ جانگداز اور دوسری طرف یہ فتنوں اور بغاوتوں کے سیلاب، صدیقۂ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد جو صدمہ میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ پڑا اگر وہ مضبوط پہاڑوں پر بھی پڑ جاتا تو ریزہ ریزہ ہو جاتے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر و استقامت کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا کہ تمام آفات و مصائب کا پورے عزم و ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا اور بالآخر کامیاب ہوئے۔

بغاوتوں کا مقابلہ ظاہر ہے کہ طاقت استعمال کر کے ہی کیا جا سکتا ہے، مگر حالات کی نزاکت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ صدیقِ اکبرؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو کسی کی رائے نہ ہوئی کہ اس وقت بغاوتوں کے مقابلہ میں کوئی سخت قدم اٹھایا جائے، خطرہ یہ تھا کہ حضراتِ صحابہؓ اگر اندرونی جنگ میں مشغول ہو جائیں تو بیرونی طاقتیں اس جدید اسلامی ملک پر دوڑ پڑیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے صدیق کے قلب کو اس جہاد کے لئے مضبوط فرما دیا، اور آپ نے ایک ایسا بلیغ خطبہ صحابہ کرامؓ کے سامنے دیا کہ اس جہاد کے لئے ان کا بھی شرحِ صدر ہو گیا، اس خطبہ میں اپنے پورے عزم و استقلال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ: ’’جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیئے ہوئے احکام اور قانونِ اسلام کا انکار کریں تو میرا فرض ہے کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں، اگر میرے مقابلہ پر تمام جن وانس اور دنیا کے شجر و حجر سب کو جمع کر لائیں اور کوئی میرا ساتھی نہ ہو تب بھی میں تنہا اپنی گردن سے اس جہاد کو انجام دوں گا‘‘۔

اور یہ فرما کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور چلنے لگے، اس وقت صحابہ کرامؓ سامنے آئے اور صدیقِ اکبرؓ کو اپنی جگہ بٹھلا کر مختلف محاذوں اور مختلف حضرات کی روانگی کا نقشہ بن گیا۔

اسی لئے حضرت علی مرتضیٰؓ، حسن بصریؒ، ضحاکؒ، قتادہ وغیرہ جمہور ائمۂ تفسیر نے بیان فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں آئی ہے وہی سب سے پہلے اس قوم کا مصداق ثابت ہوئے، جن کے من جانب اللہ میدانِ عمل میں لائے جانے کا آیتِ مذکورہ میں اشارہ ہے۔

مگر یہ اس کے منافی نہیں کہ کوئی دوسری جماعت بھی اس آیت کی مصداق ہو، اس لئے جن حضرات نے اس آیت کا مصداق حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یا دوسرے صحابہ کرامؓ کو قرار دیا ہے، وہ بھی اس کا مخالف نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہ سب حضرات بلکہ قیامت تک آنے والا وہ مسلمان جو قرآنی ہدایات کے مطابق کفر وارتداد کا مقابلہ کریں گے، اسی آیت کے مصداق میں داخل ہوں گے، بہرحال صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت حضرت صدیقِ اکبرؓ کے زیرِ ہدایت اس فتنۂ ارتداد کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہوگئی، حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک بڑا لشکر دے کر مسیلمۂ کذاب کے مقابلہ پر یمامہ کی طرف روانہ کیا، وہاں مسیلمۂ کذاب کی جماعت اچھی خاصی طاقت پکڑ لی تھی، سخت معرکے ہوئے، بالآخر مسیلمۂ کذاب حضرت وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کی جماعت تائب ہوکر پھر مسلمانوں میں مل گئی،

اسی طرح طلیحہ بن خویلد کے مقابلہ پر بھی حضرت خالدؓ ہی تشریف لے گئے، وہ فرار ہو کر کہیں باہر چلا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خود بخود ہی اسلام کی دوبارہ توفیق بخشی اور مسلمان ہو کر لوٹ آئے۔

خلافتِ صدیقی کے پہلے مہینہ ربیع الاول کے آخر میں اسود عنسی کے قتل اور اس کی قوم کے مطیع وفرمانبردار ہو جانے کی خبر پہنچ گئی اور یہی خبر سب سے پہلی فتح کی خبر تھی، جو حضرت صدیقِ اکبرؓ کو ان حالات میں پہنچی تھی، اسی طرح دوسرے قبائل مانعینِ زکوٰۃ کے مقابلہ میں بھی ہر محاذ پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو فتحِ مبین نصیب فرمائی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ اشارہ جو آگے آیات میں مذکور ہے، فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ، یعنی اللہ والوں کی جماعت ہی غالب آکر رہے گی، اس کی عملی تفسیر دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لی اور جب کہ تاریخی اور واقعاتی رنگ میں یہ بات بدیہی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد قبائلِ عرب میں فتنۂ ارتداد پھیلا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے جو قوم کھڑی فرمائی وہ صدیقِ اکبرؓ اور ان کے ساتھی صحابہ کرامؓ ہی تھے، تو اس آیت ہی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو اوصاف اس جماعت کے قرآنِ کریم نے بیان فرمائے ہیں وہ سب صدیقِ اکبرؓ اور ان کے رفقائے کار صحابہ کرامؓ میں موجود تھے، یعنی:

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں،

دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں،

تیسرے یہ کہ سب حضرات مسلمانوں کے معاملات میں نہایت نرم ہیں اور کفار کے معاملہ میں تیز،

چوتھے یہ کہ ان کا جہاد ٹھیک اللہ کی راہ میں تھا، جس میں انہوں نے کسی کی ملامت وغیرہ کی پرواہ نہیں کی۔

آخر آیت میں اس حقیقۃ الحقائق کو واضح فرمادیا کہ یہ سب صفاتِ کمال پھر ان کا ہر وقت استعمال، پھر ان کے ذریعہ اسلامی مہم میں کامیابی یہ سب چیزیں نری تدبیر یا طاقت یا جماعت کے بل بوتہ پر حاصل نہیں ہوا کرتیں، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہی جس کو چاہتے ہیں یہ نعمت عطا فرماتے ہیں۔

(معارف القرآن۔جلد سوم)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عقائد، اعمال واخلاق کے لحاظ سے شریعت کے دائرہ میں رہنے اور ارتداد اور مرتدین کا مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۷) ملحدین (زنادقہ)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّہٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ○ (حم سجدہ۔۴۰)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: بلاشبہ جولوگ ہماری آیتوں میں کج روی اختیار کرتے ہیں وہ لوگ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں بھلا ایک شخص جوآگ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ شخص جو قیامت کے دن بے خوف و ماموں ہوکر آئے۔تم جو چاہو کئے جاؤ بے شک تم جو کررہے ہواس سب کووہ دیکھ رہا ہے۔

کفر کی ایک خاص قسم الحاد ہے،اس کی تعریف اوراحکام:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا (وہ لوگ ہماری آیتوں میں کجروی اختیار کرتے ہیں) اس سے پہلی آیات میں ان منکرینِ توحیدورسالت کوزجروتنبیہ اوران کے عذاب کا ذکر تھا جو رسالت وتوحید کا کھل کر صاف انکار کرتے تھے۔

یہاں سے انکار کی ایک خاص قسم کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا نام الحاد ہے۔ لحد اور الحاد کے لغوی معنی ایک طرف مائل ہونے کے ہیں۔ قبر کی لحد کو بھی اسی لئے لحد کہتے ہیں کہ وہ ایک طرف مائل ہوتی ہے۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں آیاتِ قرآنی سے عدول وانحراف کو الحاد کہتے ہیں۔ لغوی معنی کے اعتبار سے تو یہ عام ہے صراحۃً کھلے طور پر انکار یا انحراف کرے یا تلاوتِ فاسدہ کے بہانے سے انحراف کرے۔ لیکن عام طور سے الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو قرآن اور اس کی آیات پر ایمان وتصدیق کا دعویٰ کرے مگر ان کے معانی اپنی طرف سے ایسے گھڑے جو قرآن وسنت کی نصوص اور جمہور امت کے خلاف ہوں اور جس سے قرآن کا مقصد ہی الٹ جائے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں الحاد کے معنی یہی منقول ہیں فرمایا اَلۡاِلۡحَادُ هُوَ وَضۡعُ الۡكَلَامِ عَلٰى غَيۡرِ مَوۡضِعِهٖ (کلام کو اس کے غیر موضوع جگہ پر رکھنا الحاد ہے) اور آیت مذکورہ میں اشارہ لَا يَخۡفَوۡنَ عَلَيۡنَا (وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں) بھی اس کا قرینہ ہے کہ الحاد کوئی ایسا کفر ہے جس کو یہ لوگ چھپانا چاہتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہم سے اپنا کفر نہیں چھپا سکتے۔

اور آیتِ مذکورہ نے صراحۃً یہ بتلا دیا کہ آیاتِ قرآنی سے انکار وانحراف صاف اور کھلے لفظوں میں ہو یا معانی میں تاویلاتِ باطلہ کر کے قرآن کے احکام کو بدلنے کی فکر کرے یہ سب کفر وضلال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ الحاد ایک قسم کا کفرِ نفاق ہے کہ ظاہر میں قرآن اور آیاتِ قرآن کو ماننے کا دعویٰ اور اقرار کرے لیکن آیاتِ قرآنی کے معانی ایسے گھڑے جو دوسری نصوص قرآن وسنت اور اصولِ اسلام کے منافی ہوں۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں فرمایا:

كَذٰلِكَ الزَّنَادِقَةُ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ وَقَدْ كَانُوْا يَظْهَرُوْنَ الْإِسْلَامَ۔

ترجمہ: ایسے ہی وہ زندیق لوگ ہیں جو الحاد کرتے ہیں اور بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ملحد اور زندیق دونوں ہم معنی ہیں، ایسے کافر کو کہا جاتا ہے جو ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرے اور حقیقت میں اس کے احکام کی تعمیل سے انحراف کا یہ بہانہ بنائے کہ قرآن کے معانی ہی ایسے گھڑے جو خلافِ نصوص اور خلافِ اجماعِ امت ہوں۔

ایک مغالطہ کا ازالہ:

کتبِ عقائد میں ایک ضابطہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ متأوِّل (تاویل کرنے والا) کو کافر نہیں کہنا چاہئے یعنی جو شخص عقائدِ باطلہ اور کلماتِ کفریہ کو کسی تاویل سے اختیار کرے وہ کافر نہیں۔ لیکن اس ضابطہ کا مفہوم اگر عام لیا جائے کہ کیسے ہی قطعی اور یقینی حکم میں تاویل کرے اور کیسی ہی فاسد تاویل کرے وہ بہرحال کافر نہیں تو اس کا نتیجہ یہ لازم آتا ہے کہ دنیا میں مشرکین، بت پرست اور یہود ونصاریٰ میں سے

کسی کو بھی کافر نہ کہا جائے گا کیونکہ بت پرست مشرکین کی تاویل تو قرآن میں مذکور ہے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللهِ زُلْفَى۔ یعنی ہم بتوں کی فی نفسہٖ عبادت نہیں بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں سفارش کر کے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں تو درحقیقت عبادت اللہ ہی کی ہے۔ مگر قرآن نے ان کی اس تاویل کے باوجود انہیں کافر کہا۔ یہود و نصاریٰ کی تاویلیں تو بہت ہی مشہور و معروف ہیں، جن کے باوجود قرآن وسنت کی نصوص میں ان کو کافر کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ متاوّل کو کافر نہ کہنے کا مفہوم عام نہیں۔

اس لئے علماء وفقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ تاویل جو تکفیر سے مانع ہوتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ضروریاتِ دین میں ان کے مفہومِ قطعی کے خلاف نہ ہو۔ ضروریاتِ دین سے مراد وہ احکام و مسائل ہیں جو اسلام اور مسلمانوں میں اتنے متواتر اور مشہور ہوں کہ مسلمانوں کے ان پڑھ جاہلوں تک کو بھی ان سے واقفیت ہو جیسے پانچ نمازوں کا فرض ہونا۔ صبح کی دو ظہر کی چار رکعت کا فرض ہونا۔ رمضان کے روزے فرض ہونا۔ سود، شراب، خنزیر کا حرام ہونا وغیرہ۔ اگر کوئی شخص ان مسائل سے متعلق آیاتِ قرآن میں ایسی تاویل کرے جس سے مسلمانوں کا متواتر اور مشہور مفہوم الٹ جائے، وہ بلاشبہ باجماعِ امت کافر ہے، کیونکہ وہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم سے انکار ہے اور ایمان کی تعریف جمہور امت کے نزدیک یہی ہے کہ تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما علم مجیئہ بہ ضرورۃ۔ (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

تصدیق کرنا ان تمام امور میں جن کا بیان کرنا اور حکم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضرورۃً ثابت ہو یعنی ایسا یقینی ثابت ہو کہ علماء کے سوا عوام بھی اس کو جانتے ہوں)۔

اس لئے کفر کی تعریف اس کے بالمقابل یہ ہوگی کہ جن چیزوں کا لانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہو ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے۔

اس زمانہ میں کفر والحاد کی گرم بازاری:

اس زمانہ میں ایک طرف تو دین اور احکامِ دین سے جہالت اور غفلت انتہا کو پہنچ گئی کہ نئے لکھے پڑھے لوگ بہت سی ضروریاتِ دین سے بھی ناواقف رہتے ہیں۔ دوسری طرف جدید بے خدا تعلیم جس کی بنیاد ہی مادہ پرستی پر ہے۔ کچھ اس کے اثر سے، اس پر مزید یوروپ کے مستشرقین کے پھیلائے ہوئے اسلام کے خلاف شبہات واوہام سے متاثر ہوکر بہت سے ایسے لوگوں نے اسلام اور اصولِ اسلام پر بحث وگفتگو شروع کردی ہے جن کو اسلام کے اصول وفروع، قرآن وحدیث کے علوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ انہوں نے اسلام کے مطابق اگر کچھ معلومات بھی حاصل کی ہیں تو اہلِ یورپ دشمنانِ اسلام سے حاصل کی ہیں۔ ایسے لوگوں نے قرآن وحدیث کی نصوصِ قطعیہ سے ثابت شدہ احکام کی تحریف کو اسلام کی خدمت سمجھ لیا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ کھلا کفر ہے تو وہ مشہور ضابطہ کا سہارا لیتے ہیں کہ ہم اس حکم کے منکر تو نہیں بلکہ ایک تاویل کررہے ہیں اس لئے ہم پر یہ کفر عائد نہیں ہوتا۔

اسی لئے وقت کی اہم ضرورت سمجھ کر حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور

شاہ کشمیریؒ نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے اِكْفَارُ الْمُلْحِدِيْنَ وَالْمُتَاوِّلِيْنَ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ ضَرُوْرِيَاتِ الدِّيْنِ۔ اس میں ہر طبقہ ہر مسلک کے علماء وفقہاء کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ ضروریاتِ دین میں کسی کی تاویل مسموع نہیں۔ اور یہ تاویل ان کی تکفیر سے مانع نہیں۔ یہ کتاب بزبان عربی شائع ہوئی ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کا خلاصہ اردو زبان میں بنام ''کفر واسلام قرآن کی روشنی میں'' شائع کر دیا ہے۔ اور احکام القرآن حزبِ خامس میں اس کا خلاصہ بزبان عربی بیان کر دیا ہے۔ اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ایک تحریر سے نقل کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ آیاتِ قرآن میں تاویل باطل جس کو قرآن کی آیتِ مذکورہ میں الحاد فرمایا ہے اس کی دو قسمیں ہیں، اول وہ تاویل باطل جو نصوص قطعیہ متواترہ یا اجماعِ قطعی کے خلاف ہو وہ تو بلاشبہ کفر ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ایسی نصوص کے خلاف ہو جو اگرچہ ظنی ہیں مگر قریب بہ یقین ہیں یا اجماع عرفی کے خلاف ہو ایسی تاویل گمراہی اور فسق ہے۔ کفر نہیں۔ ان دو قسم کی تاویلوں کے علاوہ باقی تاویلات جو قرآن وحدیث کے الفاظ میں مختلف احتمالات ہونے کی بنا پر ہوں وہ تاویل عام فقہاء امت کا میدان اجتہاد ہے جو تصریح حدیث ہر حال میں باعث اجر وثواب ہے۔ (معارف القرآن۔جلد ہفتم)

دورِ حاضر کے زنادقہ:

(۱) شیعہ، یہ زنادقہ کا قدیم ترین فرقہ ہے اور سب سے بڑا دشمنِ اسلام اور سب سے زیادہ بدترین خبیث، زنادقہ کے اس اخبث الخبائث فرقہ نے اسلام اور مسلمانوں کو جتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے اور پہنچا رہے ہیں اتنا نقصان زنادقہ کے دوسرے سب فرقوں کا مجموعہ بھی نہیں پہنچا سکا بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکا۔

(۲) مرزائی، قادیانی و لاہوری

(۳) آغاخانی، اسماعیلی

(۴) بوہری

(۵) بہائی

(۶) مہدوی، اور اس کی شاخیں ذکری وغیرہ۔

(۷) منکرینِ حدیث، چکڑالوی اور پرویزی وغیرہ۔

(۸) انجمن دینداران، مدعی الوہیت ''چن بسویشور'' کے بندے۔

زنادقہ کے احکام:

(۱) حکومت (اسلامی حکومت) پر فرض ہے کہ ان کے قتل کا حکم دے، خواہ کوئی زندیق بنا ہو یا باپ دادا سے اس مذہب میں چلا آتا ہو، جبکہ مرتد کی اولاد واجب القتل نہیں، اسی طرح عورت مرتدہ ہوجائے تو واجب القتل نہیں مگر زندیقہ عورت بھی واجب القتل ہے۔

(۲) گرفتار ہونے کے بعد انکی توبہ قبول نہیں، جبکہ مرتد کی توبہ گرفتاری کے بعد بھی قبول ہے۔

(۳) ان کے کسی مرد یا عورت سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔

(۴) ان کا ذبیحہ حرام قطعی ہے۔

(۵) ان سے کسی قسم کا کوئی معاملہ بھی جائز نہیں۔ تجارتی لین دین میں سخت مجبوری کا حکم ''کتاب الخطر والاباحۃ'' میں ہے۔

(۶) ان کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں۔

(۷) مسلمانوں بلکہ کافروں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں، کہیں گڑھا کھود کر اس میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد۔

(احسن الفتاویٰ۔جلد ششم)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ارتداد اور الحاد سے بچا کر صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ کرے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۸) نفاق اور منافقین

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ○ (البقرہ۔۸)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: اورلوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ہرگز وہ ایمان والے نہیں ہیں۔

نَفَق کہتے ہیں اس سرنگ کو جس کے دو دہانے ہوں اور نَافِقَاء جنگلی چوہے کے بل کو کہتے ہیں جس میں وہ ایک طرف سے داخل ہوتا ہے اور دوسری طرف سے نکل جاتا ہے اسی سے نفاق ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ”دین میں ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جانا“۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تک مکہ معظّمہ میں رہے اسلام کو اقتدار حاصل نہ ہوا اور مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔اس لئے وہاں صرف دو ہی جماعتیں تھیں مسلمان اور کافر لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد اسلام کو غلبہ و اقتدار

حاصل ہونے لگا اور مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہونے لگیں۔ان حالات میں ایک تیسرا گروہ نمودار ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو اسلام کی حقانیت پر اعتقاد نہ تھا۔تاہم اتنی جرات بھی نہ تھی کہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابل بن کر میدان میں آئیں۔ انہوں نے یہ پالیسی اختیار کی کہ بظاہر مسلمانوں میں شامل رہیں اور در پردہ کافروں سے ساز باز رکھیں۔ (قاموس القرآن)

سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں قرآن پر ایمان لانے والے ہدایت یافتہ مومنین کا پانچ آیتوں میں، اور دو آیتوں میں انکار کرنے والے کافروں کا ذکر ہے۔ دوسرے رکوع کی تیرہ آیتوں میں منافقین کا ذکر ہے۔تمام مدنی سورتوں میں ایمان والوں کے ذکر کے ساتھ منافقین کا ذکر بھی آیا ہے تاکہ خالص مومنین اور منافقین میں تمیز اور فرق معلوم ہو جائے۔حتیٰ کہ ایک سورت ہی سورۂ منافقون کے نام سے نازل کی گئی۔نفاق کی حقیقت ایمان اور کفر کے درمیان نہیں بلکہ کفر سے بالاتر ہے اس لئے قرآن کریم نے ان کا مقام دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں بیان کیا ہے۔کھلے کافروں سے بڑھ کر یہ گروہ جو دوست نما دشمن ہے خطرناک سمجھا گیا۔دوسرا رکوع اور حضرت تھانویؒ کی بیان القرآن کا ترجمہ سنایا جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا ہُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ○ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ ○ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا وَلَہُمۡ

عَذَابٌ عَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي
الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ
وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا
اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا
يَعْلَمُوْنَ ○ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى
شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ
بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا
الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ○ مَثَلُهُمْ
كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ
بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ○ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا
يَرْجِعُوْنَ ○ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ
يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰهُ
مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ
مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
وَاَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (البقرہ۔۸۔۲۰)

ترجمہ: اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں (بلکہ) چالبازی کرتے ہیں اللہ سے

اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں، اور واقع میں کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے (یعنی اس چالبازی کا انجام بدخود اپنے ہی کو بھگتنا پڑے گا) ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے، سو اور بھی بڑھا دیا اللہ نے ان کا مرض (اس مرض میں ان کی بداعتقادی اور اسلام اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر حسد میں جلنا اور ہر وقت اپنا کفر ظاہر ہو جانے کی فکر و خلجان سب داخل ہیں، مسلمانوں کی ترقی سے ان کا مرضِ حسد اور بڑھنا واضح ہے) اور ان کے لئے سزائے دردناک ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے (یعنی ایمان کا جھوٹا دعویٰ کیا کرتے تھے) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں (ان کی دورُخی روش سے جب فتنے فساد واقع ہونے لگے اور کسی خیر خواہ نے فہمائش کی کہ ایسی کارروائی موجبِ فساد ہوا کرتی ہے اس کو چھوڑ دو تو اس کے جواب میں یہ اپنے آپ کو بجائے مفسد کے مصلح بتاتے ہیں یعنی اپنے فساد ہی کو اصلاح سمجھتے ہیں) یاد رکھو بیشک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے (یہ تو ان کی جہالت اور غباوت کا بیان ہے، کہ اپنے عیب ہی کو ہنر سمجھتے ہیں، آگے دوسری جہالت کا بیان ہے کہ دوسروں کے ہنر کو یعنی ایمان خالص کو عیب اور حقیر سمجھتے ہیں) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ، تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لاویں گے جیسا ایمان لے آئے ہیں یہ بیوقوف، یاد رکھو کہ بیشک یہی ہیں بیوقوف لیکن اس کا علم

نہیں رکھتے (یہ منافق ایسی کھلی ہوئی بات بظاہر غریب مسلمانوں کے سامنے کر لیتے ہوں گے جن سے ان کو کوئی اندیشہ نہ تھا، ورنہ عام طور پر تو وہ اپنے کفر کو چھپاتے پھرتے ہیں) اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بیشک تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو (مسلمانوں سے) صرف استہزاء کیا کرتے ہیں (یعنی ہم مسلمانوں سے بطور تمسخر کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ورنہ ہم تو تمہارے ہم مشرب ہیں، آگے ان کے استہزاء کا جواب ہے کہ) اللہ تعالیٰ ہی استہزاء کر رہے ہیں ان کے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں (وہ اللہ کا استہزاء یہی ہے کہ ان کو مہلت دی جا رہی ہے جب وہ خوب کفر میں کامل ہو جاویں اور جرم سنگین ہو جاوے اس وقت اچانک پکڑ لئے جاویں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ان کے استہزاء کے مقابلہ میں تھا اس لئے اس کو استہزاء کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا) یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے تو نفع بخش نہ ہوئی ان کی یہ تجارت اور نہ ٹھیک طریقہ پر چلے (یعنی ان کو تجارت کا سلیقہ نہ ہوا کہ ہدایت جیسی قیمتی چیز کے بدلہ میں گمراہی لے لی) ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اس آگ نے اس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی

روشنی کو اور چھوڑ دیا ہوان کو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں، (تو جس طرح یہ شخص اوراس کے ساتھی روشنی کے بعد اندھیرے میں رہ گئے اسی طرح منافقین حق واضح ہوکر سامنے آجانے کے بعد گمراہی کے اندھیرے میں جا پھنسے اور جس طرح آگ جلانے والوں کی آنکھ، کان، زبان، اندھیرے میں بیکار ہو گئے، اسی طرح گمراہی کے اندھیرے میں پھنس کر ان کی یہ حالت ہوگئی کہ گویا وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ ہوں گے، (کہ ان کے حواس حق کو دیکھنے، سننے، سمجھنے کے قابل نہ رہے، یہ مثال تو ان منافقین کی تھی جو خوب دل کھول کر کفر پر جمے ہوئے ہیں، کبھی ایمان کا دھیان بھی دل میں نہیں آتا، آگے منافقین کے اس گروہ کی مثال ہے جو فی الواقع تردد میں تھے، کبھی کبھی اسلام کی حقانیت دیکھ کر اس کی طرف مائل ہونے لگتے، پھر جب اغراضِ نفسانی کا غلبہ ہوتا تو یہ میلان بدل جاتا تھا) یا ان منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان کی طرف سے بارش ہو اس میں اندھیری بھی ہو اور رعد برق بھی ہو جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونسے لیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشۂ موت سے، اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہے کافروں کو، برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے لے لی جہاں ذرا ان کو بجلی کی چمک ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کر دیا، اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے، اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے تو ان کے کان اور آنکھ سب سلب کر لیتے بلاشبہ

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں (تو جس طرح یہ لوگ کبھی طوفانِ بادوباراں میں کبھی چلنے سے رہ جاتے ہیں کبھی موقع پا کر آگے چلنے لگتے ہیں یہی حال ان متردد منافقین کا ہے)۔

معارف ومسائل:

اس رکوع کی پہلی دو آیتوں میں منافقین کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ صاف فرماتے ہیں کہ یہ ہرگز ایمان والے نہیں ہیں اور ایمان والوں کے ساتھ دغابازی کرتے ہیں اور ان کی دغابازی انہی کے ساتھ واقع ہوتی ہے اور اس کا شعور نہیں رکھتے۔ اگلی آیت میں فرمایا گیا کہ ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ ان کے دل میں نفاق کا جو مرض ہے اللہ نے اسے بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کہنے کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ دلوں کے امراض خواہشاتِ نفسانی کے اتباع سے پیدا ہوتے ہیں جیسے بدنِ انسانی کے امراض اخلاطِ انسانی کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس آیت میں ان کے دلوں میں جو مخفی کفر ہے اس کو مرض قرار دیا گیا ہے۔

اس رکوع کی چوتھی اور پانچویں آیت میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ فساد کو اصلاح سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو مصلح کہتے تھے۔ قرآنِ کریم نے واضح کر دیا کہ فساد و اصلاح زبانی دعووں پر دائر نہیں ہوتے۔

چھٹی آیت میں صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا کہ ''اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَا النَّاسُ'' (یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس طرح ایمان لاؤ جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں)۔اس آیت میں لفظ ناس سے مراد باتفاق مفسرین صحابہ کرامؓ ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت ایمان لائے تھے۔ اللہ کے نزدیک وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ کے ایمان کی طرح ہو، جن چیزوں میں جس کیفیت کے ساتھ ان کا ایمان ہے اسی کا طرح کا ایمان دوسروں کا ہوگا تو ایمان کہا جائے گا، ورنہ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا ایمان ایک کسوٹی ہے، جس پر باقی ساری امت کے ایمان کو پرکھا جائے گا، جو اس کسوٹی پر صحیح نہ ہو اس کو شرعاً ایمان اور ایسا کرنے والے کو مومن نہیں کہا جائے گا، اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل خواہ ظاہر میں کتنا ہی اچھا نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کے نزدیک ایمان معتبر نہیں، ان لوگوں نے صحابہ کرامؓ کو سفہاء یعنی بیوقوف کہا، اور یہی ہر زمانہ کے گمراہوں کا طریقہ رہا ہے، کہ جو ان کو صحیح راہ بتلائے اس کو بیوقوف جاہل قرار دیتے ہیں، مگر قرآن کریم نے بتلا دیا کہ درحقیقت وہ خود ہی بیوقوف ہیں کہ ایسی کھلی نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے۔

اگلی آیات میں ان کی دورخی پالیسی کا ذکر کیا گیا ہے، جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن اور مسلمان ہیں اور جب اپنی قوم کے کافر سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، مسلمانوں سے محض استہزاء کے لئے

اور ان کو بیوقوف بنانے کے لئے ملتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے حلم اور کرم نے انہیں ڈھیل دی ہے اور خود انہی کے استہزاء کا سامان کر دیا ہے اور خود بیوقوف بن رہے ہیں۔نویں آیت میں منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اسلام کو قریب سے دیکھا، کفر میں پہلے تو مبتلا تھے پھر اپنی ذلیل دنیوی اغراض کے لئے اسلام کے بدلے کفر کو ترجیح دی۔ان کی تجارت ان کے لئے نفع بخش نہیں ہوگی اور نہ وہ ہدایت پائیں گے۔آخری چار آیات میں ان کی دو مثالیں دے کر اس کا قابلِ نفرت ہونا بیان فرمایا گیا، دو مثالیں اس بناء پر دی گئیں کہ منافقین میں دو طرح کے آدمی تھے، ایک وہ جو اپنے کفر میں بالکل پختہ تھے، ایمان کا اظہار صرف دنیوی مصلحت کی وجہ سے کرتے تھے، ایمان واسلام سے ان کو کوئی واسطہ نہ تھا، دوسرے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر کبھی کبھی سچے مسلمان ہونے کا ارادہ بھی کر لیتے تھے، مگر پھر دنیوی اغراض سامنے آ کر ان کو اس ارادہ سے روک دیتی تھیں، اسی طرح وہ ایک تذبذب اور تردد کے حال میں رہتے۔

کیا کفر ونفاق عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا یا اب بھی موجود ہے؟

منافقین کے نفاق کو پہچاننا اور اسے منافق قرار دینا دو طریقوں سے ہوتا تھا، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بذریعۂ وحی بتلا دیا کرتا تھا کہ فلاں شخص منافق ہے، دوسرے یہ کہ اس کے کسی قول وفعل سے کسی عقیدۂ اسلام کے خلاف کوئی بات یا اسلام کی مخالفت کا کوئی عمل ظاہر اور ثابت ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد پہلی صورت تو باقی نہ رہی لیکن دوسری صورت اب بھی موجود ہے۔جس شخص کے کسی قول وفعل سے اسلام کے قطعی عقائد کی مخالفت یا ان پر استہزاء یا تحریف ثابت ہوجائے،مگر وہ اپنے ایمان واسلام کا مدعی بنے تو وہ منافق سمجھا جائے گا،ایسے منافق کا نام قرآن کی اصطلاح میں ملحد ہے، اِنَّ الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا (۴۰:۴۱)،اور حدیث میں اس کو زندیق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ایمان اور کفر کی حقیقت:

ایمان وہی معتبر ہے جو قرآن کی بتائی ہوئی تمام صفات کے ساتھ ہو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتائے ہوئے حالات اور اوصاف کے ساتھ ہو۔

ایمان وکفر کا ضابطہ:

تیرہویں آیت میں وَاِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ اٰمِنُوۡا کَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ، (ترجمہ: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں) جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ صحیح یا غلط کے جانچنے کا معیار صحابہ کرامؓ کا ایمان ہے، جو اس کے مطابق نہیں وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک ایمان نہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے ساتھ برا سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ برائی کرنا ہے:

منافقین کا یہ حال یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ (ترجمہ: یہ اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں) حالانکہ کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اللہ کو دھوکا دینے کا قصد رکھتا ہو یا یہ سمجھتا ہو کہ وہ اللہ کو فریب دے سکتا ہے بلکہ درحقیقت یہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ایمان والوں کو دھوکا دینے کے لئے ایسی بری حرکتیں کیا کرتے تھے۔ آیتِ مذکور میں اللہ تعالیٰ نے اس کو اللہ کو دھوکا دینا قرار دے کر یہ بتایا کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا کسی ولی کے ساتھ برا معاملہ کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ ہی کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کے حکم میں ہے، دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفعتِ شان کی طرف بھی اشارہ کردیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی کرنا ایسا ہی جرم ہے جیسا اللہ جل شانہٗ کی شان میں گستاخی جرم ہے۔

جھوٹ بولنے کا وبال:

جھوٹ بولنے کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب کی وعید کی گئی، ان کا کفر و نفاق تو اپنی جگہ موجود ہے اور ان کی جڑ ہی جھوٹ بولنا ہے۔ اس طرح قرآنِ کریم نے فرمایا فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ○ (۲۲:۳۰)، یعنی بچو بت پرستی کی نجاست سے اور بچو جھوٹ بولنے سے۔

اصلاح وفساد کی تعریف:

آیاتِ مذکورہ میں گذر چکا ہے کہ جب کوئی ان منافقین سے یہ کہتا کہ اپنے نفاق کے ذریعہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ بڑے زور اور تاکید سے کہتے تھے اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ اس میں لفظِ اِنَّمَا جو حصر و انحصار کے لئے بولا جاتا ہے اس کی وجہ سے معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ ہم تو مصلح ہی ہیں، یعنی ہمارے کسی عمل کا فساد سے کوئی واسطہ نہیں، مگر قرآنِ کریم نے ان کے جواب میں فرمایا اَلَآ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ، ’’یعنی یاد رکھو کہ یہی لوگ مفسد ہیں مگر ان کو اس کا شعور نہیں‘‘۔

اس میں دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ منافقین کی حرکات حقیقۃً زمین میں فتنہ وفساد پھیلنے کا سبب تھیں، دوسری بات یہ کہ منافقین فتنہ وفساد پھیلانے کی نیت اور قصد سے یہ کام نہ کرتے تھے بلکہ ان کو معلوم بھی نہ تھا کہ اس کا نتیجہ فتنہ وفساد ہے، جیسا کہ قرآن کی تصریح وَلٰكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ (لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے) سے معلوم ہوتا ہے۔

اصلاح شریعت کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے ہوتی ہے اور شریعت کے خلاف کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہے۔ (ملخصاً معارف القرآن۔جلد اول)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرامؓ کے جیسا ایمان عطا فرمائے اور ہر طرح کے نفاق سے بچائے۔آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۹) عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں منافقین کی شرارتیں (۱)

(۱) زمین میں فساد کرنا:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُکَ قَوْلُہٗ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیُشْہِدُ اللّٰہَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِہٖ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْہَا وَیُہْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ○ وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُہٗ جَہَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِہَادُ ○

(البقرہ۔۲۰۶-۲۰۴)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰہِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض آدمی ایسا بھی ہے کہ دنیوی زندگی کے کاموں میں اس کی باتیں اے پیغمبر آپ کو بڑی دلکش معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا جاتا ہے حالانکہ وہ آپ کے تمام مخالفوں میں سخت لڑاکا ہے۔ اور جب وہ آپ کی مجلس سے لوٹتا ہے تو شہر میں اس غرض سے دوڑ دھوپ کرتا پھرتا ہے کہ اس میں فساد برپا کرے اور کھیتوں کو اور مویشیوں کو ہلاک و برباد کردے اور اللہ تعالیٰ

تباہ کاری کو پسند نہیں فرماتا۔اور جب اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ تو خدا سے ڈر تو اس کا گھمنڈ اس کو گناہ پر اور ابھارتا ہے پس ایسے شخص کی کافی سزا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری آرام گاہ ہے۔

ایک شخص تھا اَخْنَسْ بِنْ شُرَیْق، پکا منافق، بڑا فصیح و بلیغ تھا، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کھا کر دعویٔ اسلام کیا کرتا تھا، اور جب مجلس سے اٹھ کر جاتا تو فساد و شرارت و ایذارسانئ خلق میں لگ جاتا، اس کے تعلق سے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(۲) جنگِ احد کے موقع پر منافقین کا کھسک جانا:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (آل عمران۔ ۱۲۳-۱۲۱)

ترجمہ: اور اے نبی آپ اس واقعہ کو یاد کیجئے کہ جس وقت آپ اپنے اہلِ خانہ سے علی الصباح باہر نکلے تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کی غرض سے مختلف ٹھکانوں پر مقرر کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ اس وقت تم میں سے دو قبیلے بزدلی دکھانے کا قصد کر رہے تھے حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بدر کے میدان میں تمہاری مدد کر چکا تھا

حالانکہ تم اس وقت کمزور و بے بس تھے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم شکر گزار رہو۔

رمضان المبارک ۲ سنہ ھ میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں جنگ ہوئی، جس میں کفارِ مکہ کے ستر (۷۰) نامور اشخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے جو حقیقتاً عذابِ الٰہی کی پہلی قسط تھی قریش کا جذبۂ انتقام بھڑک اٹھا، جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور یہ معاہدہ کیا کہ جب تک ہم اس کا بدلہ مسلمانوں سے نہ لے لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے، اور اہلِ مکہ سے اپیل کی کہ ان کا تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے وہ سب اسی مہم پر خرچ کیا جائے تا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں، سب نے منظور کیا اور ۳ سنہ ھ میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے، حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تا کہ موقع آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں، جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبلِ احد کے قریب خیمہ زن ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جو بظاہر

مسلمانوں میں شامل تھا، اس سے بھی رائے لی گئی، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رائے کے موافق تھی مگر بعض پرجوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی اور شوقِ شہادت بے چین کررہا تھا مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے تاکہ دشمن ہمارے بارے میں بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے، کثرتِ رائے اسی طرف ہوگئی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکان کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے۔ اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس لئے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کا منشا نہ ہو تو یہیں تشریف رکھیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایک نبی کو سزاوار نہیں ہے کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگائے پھر بغیر قتال کئے ہوئے بدن سے اتارے، جب آپ مدینہ سے باہر نکلے تو ایک ہزار آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے، مگر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہوگیا کہ میرا مشورہ نہ مانا گیا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا گیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں ہم خوامخواہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں۔ اس کے ساتھیوں میں زیادہ منافقین تھے مگر بعض مسلمان بھی اس کے فریب میں ساتھ ہوگئے۔

آیت میں جو بات آئی ہے اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا

(یعنی جب تم میں سے دو جماعتیں ہمت ہار دیں درآنحالیکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا) ان دونوں جماعتوں سے مراد قبیلۂ اوس کے بنو حارثہ اور قبیلۂ خزرج کے بنوسلمہ ہیں۔ اس دونوں جماعتوں نے عبداللہ بن ابی کی مثال دیکھ کر اپنے آپ میں کمزوری اور کم ہمتی محسوس کی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل نے دستگیری کی اور اس وسوسہ کو وسوسہ کے درجہ سے آگے بڑھنے نہ دیا اور وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا (اللہ ان دونوں کا مددگار تھا) خود ان کے ایمانِ کامل کی شہادت دے رہا ہے۔ ان دونوں قبیلوں کے بزرگ فرمایا کرتے تھے اگرچہ اس آیت میں ہم پر کچھ عتاب بھی ہے لیکن وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا کی بشارت بھی ہمارے لئے آئی ہے۔

منافقین مسلمانوں پر طعن کرتے رہے کہ ہماری بات مانی جاتی تو اس طرح پسپائی نہ ہوتی، چونکہ جنگِ احد میں ستر صحابہؓ شہید ہو گئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی زخم پہنچا۔ مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ تمہیں ہر حال میں تقویٰ اختیار کر کے اللہ پر توکل کرنا ہے اور سب سے اعلیٰ درجہ کی موت شہادت کی موت ہے۔ شہداء اللہ کے پاس زندہ ہیں، ان کی روحیں جنت کے پرندوں کی پوٹوں میں داخل کی گئی ہیں جہاں وہ جنت کے پھل کھا رہے ہیں اور جنت کی نہروں سے پی رہے ہیں اور وہ ان ایمان والوں کے تعلق سے بھی خوشی منا رہے ہیں کہ اگر وہ بھی شہادت پا کر یہاں آ جائیں تو انہیں بھی یہ سب نعمتیں حاصل ہوں گی۔ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال ہی وہ کسوٹی ہے جو ایک ایمان والے اور منافق میں تفریق کرنے والی ہے۔

(۳) منافقین کا شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے سے اعراض کرنا:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّہُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ○ وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوۡلِ رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ○ (النساء۔ ۶۰، ۶۱)

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو ملاحظہ نہیں کیا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئیں اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے مقدمات شیطان سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو اس شیطان کے نہ ماننے کا حکم دیا جاچکا ہے اور شیطان کی یہ خواہش ہے کہ ان کو گمراہ کرکے صحیح راستہ سے بہت دور لے جاڈالے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو آپ ان منافقوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ سے انتہائی اعراض کرتے ہیں۔

ان آیات کا شانِ نزول:

بِشر نامی ایک منافق تھا، اس کا ایک یہودی کے ساتھ جھگڑا ہوگیا۔ یہودی نے کہا کہ چل محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس چل کر فیصلہ کرائیں گے۔ کعب بن اشرف یہود کا

سردار تھا جو رشوت لے کر فیصلے کرتا تھا۔ چونکہ یہودی اس جھگڑے میں حق پر تھا اس لئے اس کو اپنے سردار کعب بن اشرف سے بڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اعتماد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس میرا صحیح فیصلہ ہوگا۔ بشر منافق ناحق تھا اس لئے جانتا تھا کہ میرے خلاف فیصلہ ہوگا۔ مقدمہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پہنچا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تحقیق فرمائی اور یہودی حق پر تھا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ بشر جو بظاہر مسلمان تھا اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ ہم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جائیں گے اور ان سے فیصلہ کرائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سن کر کہا کہ تمہارا وہی فیصلہ ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا ہے۔ بشر نے یہودی سے کہا کہ ہم حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس جائیں گے اور ان سے فیصلہ کرائیں گے۔ یہودی نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے پورا واقعہ بیان کیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما چکے ہیں مگر یہ شخص مطمئن نہیں ہے اور آپ کے پاس مقدمہ لایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بشر سے پوچھا کہ کیا واقعہ یہی ہے، اس نے اقرار کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا ذرا ٹھہرو میں آتا ہوں۔ مکان میں تشریف لے گئے اور ایک تلوار لا کر اس منافق کا کام تمام کر دیا اور فرمایا جو شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوا اس کا یہی فیصلہ ہے۔

مقتول منافق کے وارثوں نے حضرت عمرؓ پر یہ دعویٰ ظاہر کیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بغیر شرعی دلیل کے قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا منافق ہونا ظاہر

کر کے حضرت عمرؓ کو بری کر دیا اور آپؓ کو فاروق کا لقب ملا۔

یہ شخص (بِشر) ایمان کا دعویٰ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ سے انکار کر رہا تھا۔ ایمان کا محض زبانی دعویٰ تھا۔ طاغوت کے معنی سرکشی کرنے والے کے ہیں، کعب بن اشرف کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ باہمی جھگڑوں کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شرعی فیصلہ سے اعراض کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں ہوسکتا بلکہ کسی منافق ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ غلط تاویلیں کرنا بھی نفاق ہی کی قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا کہ آپ منافقوں کو آخرت کا خوف دلا کر خیر خواہانہ نصیحت کریں۔ رسولوں کو اس لئے اللہ کی طرف سے بھیجا جاتا ہے کہ ایمان والے اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کریں۔ اگر ان سے کوئی ظلم ہو جائے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آ کر استغفار کرائیں اور رسول ان کے لئے استغفار کریں تو وہ اللہ کو معاف کرنے والا اور مہربان پائیں گے۔ اس کے بعد قرآن کی درج ذیل آیت نازل ہوئی جو ایک ایمان کی کسوٹی مہیا کرتی ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ○ (النساء۔ ۶۵)

ترجمہ: سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔

خلاصۂ تفسیر:

پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ (جو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں عنداللہ) ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت سے) فیصلہ کرا دیں پھر (جب آپ تصفیہ کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پاویں اور (اس فیصلہ کو) پورا پورا (ظاہر سے باطن سے) تسلیم کر لیں۔

اہم نکات:

(۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے۔

(۲) اختلافات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم بنانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہدِ مبارک تک مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت سے فیصلہ کرانا ہے۔

(۳) صرف معاملات اور حقوق کے متعلق ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام مسائل شریعت کے مطابق ہونا چاہئیے۔

(۴) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کوئی چیز قولاً یا عملاً ثابت ہو اسے کرنے میں دل میں تنگی محسوس کرنا بھی ضعفِ ایمان کی علامت ہے۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صرف مصلح اور اخلاقی رہبر ہی نہیں تھے بلکہ ایک عادل حاکم بھی تھے، اس شان کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ کو ایمان اور کفر کا معیار قرار دیا گیا۔

(۴) منافقین کی بداعمالیاں:

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمۡ وَاِذَا قَامُوۡۤا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوۡا كُسَالٰی یُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا یَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۝ مُّذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِیۡلًا ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَیۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ۝ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِیۡرًا ۝

(النساء۔۱۴۵-۱۴۲)

ترجمہ: بلاشبہ اپنے خیال میں یہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکہ کی سزا دینے والا ہے اور یہ منافق جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو محض لوگوں کے دکھلانے کو بڑی کاہلی اور ال کساہٹ سے کھڑے ہوتے ہیں اور خدا کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر مختصر سا کفر اور ایمان کے مابین تردد و تذبذب کی حالت میں مبتلا ہیں۔ نہ پورے ان مسلمانوں کی طرف اور نہ پورے ان کافروں کی طرف اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں مبتلا رکھے تو اے مخاطب تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔ اے ایمان والو تم مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے خلاف صریح الزام قائم کرلو۔ یقین جانو منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور تو ان کے لئے ہرگز کوئی

مددگار نہ پائے گا۔

(۵) یہود ونصاریٰ سے موالات:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ ۘؔ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ○ فَتَرَی الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوۡنَ فِیۡهِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ نَخۡشٰۤی اَنۡ تُصِیۡبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَی اللّٰهُ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَیُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ نٰدِمِیۡنَ ○

(المائدہ۔۵۱،۵۲)

ترجمہ: اے ایمان والوتم یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو وہ یقیناً انہی میں سے ہوگا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ناانصاف لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔ سو آپ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے ملاحظہ کرتے ہوں گے کہ وہ جلدی جلدی یہود ونصاریٰ سے دوستانہ تعلقات بڑھا رہے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ یوں کہتے ہیں ہم کو ڈر ہے کہ کہیں ہم پر کوئی گردش پیش نہ آجائے پس وہ وقت قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا کوئی اور خاص بات اپنی طرف سے ظاہر کردے پھر یہ منافق ان باتوں پر نادم ہوکر رہ جائیں جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی تھیں۔

یہ آیتیں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے گروہ منافقین کے

بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ کیونکہ یہود سے ان کا بہت دوستانہ تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں، اسی لئے دوڑ دوڑ کر کافروں کے آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں تا کہ ان کی موہوم غلبہ کے وقت ثمرات فتح سے متمتع ہوسکیں۔ اور ان کے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں، ان سے محفوظ رہیں۔ نخشی ان تصیبنا دائرۃ (ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش پیش نہ آجائے) کے یہ ہی معنی ان کے دلوں میں مکنون تھے۔ لیکن یہ ہی الفاظ (نخشٰے ان تصیبنادائرۃ) جب پیغمبرؐ اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے قرض دوام لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائیں گے۔ ان ہی خیالات کا جواب آگے دیا گیا ہے۔ یعنی وقت نزدیک ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبیؑ کو فیصلہ کن فتوحات اور غلبہ عطا فرمائے اور مکہ معظّمہ میں بھی جو تمام عرب کا مسلمہ مرکز تھا حضور کو فاتحانہ داخل کرے یا اس کے ماسوا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور امور برروئے کار لائے جنہیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو اور انہیں منکشف ہوجائے کہ دشمنان اسلام کی موالات کا نتیجہ دنیوی ذلت ورسوائی اور اخروی عذابِ الیم کے سوا کچھ نہیں۔ جب

فضیحت وخسران کے یہ نتائج سامنے آجائیں گے اس وقت بجز پچھتانے اور کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ الآن قد ندمت وما ینفع الندم۔ (اب تو پچھتانے لگا ہے اب تجھے پچھتانا نفع نہیں دے گا) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام کے عام غلبہ اور فتحِ مکہ وغیرہ کو دیکھ کر تمام اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہوگئے۔ بہت سے یہود مارے گئے، بہت سے جلاوطن ہوئے۔ منافقین کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مسلمانوں کے سامنے صریح طور پر جھوٹے ثابت ہوئے، موالات یہود میں جو کوششیں کی تھیں وہ اکارت گئیں اور خسران دنیوی اور ہلاکتِ ابدی کا طوق گلے میں پڑا۔ (تفسیرِ عثمانی)

منافقین کی مزید شرارتیں ان شاء اللہ آئندہ مجالس میں بیان کی جائیں گی۔ یہ چیزیں آپ کو اس لئے سنائی جارہی ہیں تاکہ ہم نفاق کے عقائد اور اعمال سے پوری طرح بچ کر رہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ منافقین کا گروہ اہلِ ایمان کے ساتھ قیامت تک لگا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقیدہ اور عمل کے نفاق سے بچا کر حقیقی ایمان نصیب فرمائے اور اسی پر ہمارا خاتمہ کرے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۰) عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں منافقین کی شرارتیں (ب)

(۱) اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ
الرَّحِیۡمِ ○ اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا
لَّکُمۡ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ
وَالَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ○ لَوۡ لَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡہُ ظَنَّ
الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِہِمۡ خَیۡرًا وَّقَالُوۡا ہٰذَاۤ اِفۡکٌ مُّبِیۡنٌ ○ لَوۡ
لَا جَآءُوۡ عَلَیۡہِ بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ فَاِذۡ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِالشُّہَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنۡدَ
اللّٰہِ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ○ وَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ فِی الدُّنۡیَا
وَالۡاٰخِرَۃِ لَمَسَّکُمۡ فِیۡ مَاۤ اَفَضۡتُمۡ فِیۡہِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ○ اِذۡ تَلَقَّوۡنَہٗ
بِاَلۡسِنَتِکُمۡ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاہِکُمۡ مَّا لَیۡسَ لَکُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ
وَّتَحۡسَبُوۡنَہٗ ہَیِّنًا وَّہُوَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمٌ ○ وَلَوۡ لَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡہُ قُلۡتُمۡ
مَّا یَکُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَکَلَّمَ بِہٰذَا سُبۡحٰنَکَ ہٰذَا بُہۡتَانٌ عَظِیۡمٌ ○
یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِہٖۤ اَبَدًا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ○ وَیُبَیِّنُ
اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ○ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ
الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ
وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○ وَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ

وَاَنَّ اللّٰہَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ○ (النور۔۲۰-۱۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے (یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت کا) وہ تمہیں میں کا ایک گروہ ہے تم اس طوفان بندی کو اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اس گروہ میں سے جس شخص نے جتنا گناہ کمایا اس کو اسی قدر ملنا ہے اور ان میں سے جس نے اس طوفان میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کو بہت بڑی سزا ملنی ہے۔ جب تم لوگوں نے اس طوفان کی خبر کو سنا تھا تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور سنتے ہی یوں کیوں نہ کہا کہ یہ صریح کذب اور بہتان ہے۔ جو لوگ اس طوفان بندی کے مرتکب ہوئے ہیں وہ اپنے دعوے پر چار گواہ نہیں لائے سو ایسی حالت میں کہ جب یہ لوگ گواہ نہیں پیش کر سکے تو بس خدا کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس بات کا چرچا تم نے شروع کر رکھا تھا اس کی وجہ سے تم پر کوئی سخت عذاب واقع ہو جاتا۔ اور تم اس عذاب کے اس وقت مستحق ہو جاتے جب کہ تم اپنی زبانوں سے اس خبر کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی باتیں کہہ رہے تھے جن کی حقیقت کا تم کو مطلق علم نہ تھا اور تم اس طوفان کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی

سخت بات تھی۔اور جب تم نے اس بہتان کو سنا تھا تو تم نے سنتے ہی یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو یہ زیبا نہیں کہ ہم ایسی بات منہ سے نکالیں معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔ مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو آئندہ پھر کبھی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف اپنے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ کمال علم اور کمال حکمت کا مالک ہے۔ بلاشبہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات شہرت پذیر ہو تو ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور اللہ بڑی شفقت کرنے والا نہایت مہربان ہے تو تم بھی خدا کی گرفت سے نہ بچتے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ پر بہتان:

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوۂ بنی المصطلق سنہ ۶ ہجری میں تشریف لے گئے تو امہات المومنین میں سے حضرت صدیقہ عائشہؓ ساتھ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا اونٹ جس پر ان کا ہودج (پردہ دار شغدف) ہوتا تھا اور چونکہ اس وقت احکام پردہ کے نازل ہو چکے تھے تو معمول یہ تھا کہ صدیقہ عائشہؓ اپنے ہودج میں سوار ہو جاتیں پھر لوگ اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔غزوہ سے فراغت اور مدینہ طیبہ کی طرف واپسی میں ایک روز یہ قصہ پیش آیا کہ ایک منزل میں قافلہ ٹھہرا آخر شب میں کوچ سے کچھ پہلے اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا

ہے تا کہ لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہوکر تیار ہوجاویں۔حضرت صدیقہ عائشہؓ کو قضائے حاجت کی ضرورت تھی اس سے فراغت کے لئے جنگل کی طرف چلی گئیں۔وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں ان کو دیر لگ گئی، جب واپس اپنی جگہ پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے ان کے اونٹ کا قصہ یہ ہوا کہ جب کوچ ہونے لگا تو عادت کے مطابق حضرت صدیقہ عائشہؓ کا ہودج یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کر دیا گیا کہ حضرت صدیقہؓ اس میں موجود ہیں اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ اس لئے نہ ہوا کہ اس وقت حضرت صدیقہؓ کی عمر کم اور بدن میں نحیف تھیں کسی کو یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے چنانچہ اونٹ کو ہانک دیا گیا۔حضرت صدیقہؓ نے اپنی جگہ واپس آکر قافلہ کو نہ پایا تو بڑی دانشمندی اور وقار و استقلال سے کام لیا کہ قافلہ کے پیچھے دوڑنے یا ادھر ادھر تلاش کرنے کے بجائے اپنی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں اور خیال کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور رفقاء کو یہ معلوم ہوگا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے تلاش کرنے کے لئے یہاں پہنچیں گے، اگر میں ادھر ادھر کہیں اور گئی تو ان کو تلاش میں مشکل ہوگی اس لئے اپنی جگہ پر چادر میں لپٹ کر بیٹھ رہیں، آخر رات کا وقت تھا نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ کر آنکھ لگ گئی۔

دوسری طرف قدرت نے یہ سامان کیا کہ حضرت صفوان بن معطل صحابیؓ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی خدمت کے لئے مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور قافلہ روانہ ہونے کے بعد گری پڑی کوئی چیز رہ گئی ہو تو اس کو اٹھا کر محفوظ

کرلیں، وہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے، ابھی روشنی پوری نہ تھی اتنا دیکھا کہ کوئی آدمی پڑا سورہا ہے۔قریب آئے تو حضرت صدیقہ عائشہؓ کو پہچان لیا کیونکہ انہوں نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے ان کو دیکھا تھا۔ پہچاننے کے بعد انتہائی افسوس کے ساتھ ان کی زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ نکلا، یہ کلمہ صدیقہؓ کے کان میں پڑا تو آنکھ کھل گئی اور چہرہ ڈھانپ لیا۔حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ قریب لاکر بٹھادیا۔ حضرت صدیقہؓ اس پر سوار ہوگئیں اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیادہ پا چلنے لگے یہاں تک کہ قافلہ میں مل گئے۔

عبداللہ بن ابی بڑا خبیث منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دشمن تھا۔اس کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور کم بخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی اسکا تذکرہ کرنے لگے۔ جیسے حضرت حسان حضرت مسطح مردوں میں سے اور حضرت حمنہ عورتوں میں سے تفسیر درمنشور میں بحوالہ ابنِ مردویہ حضرت ابنِ عباسؓ کا یہی قول نقل کیا ہے کہ اعانہ ای عبداللّٰہ ابن ابی حسان ومسطح وحمنہ۔

جب اس منافق کے بہتان کا چرچا ہوا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس سے سخت صدمہ پہنچا، صدیقہ عائشہؓ کو تو انتہائی صدمہ پہنچا ظاہر ہی ہے عام مسلمانوں کو بھی اس سے سخت رنج وافسوس ہوا۔ایک مہینہ تک یہی قصہ چلتا رہا۔آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہؓ کی براءت اور بہتان باندھنے یا اس میں شریک ہونے والوں

کی مذمت میں مذکورہ بالا آیات نازل فرمادیں۔قرآنی ضابطہ کے مطابق حدِ قذف جاری کی، ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگائے۔ بزار اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین مسلمانوں پر حدِ قذف جاری فرمائی، مِسطح، حَمنہ، حسانؓ۔اور طبرانی نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس موقع پر عبداللہ بن ابی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دوہری حد جاری فرمائی۔ پھر مومنین نے توبہ کرلی اور منافقین اپنے حال پر قائم رہے۔ (بیان القرآن)

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ○ (النور۔۲۳)

ترجمہ: بے شک جو لوگ پاکدامن ایمان والی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اس سے پہلے جو آیات تھیں اس میں قذف کا ذکر آچکا ہے لیکن درحقیقت دونوں آیتوں میں بڑا فرق یہ ہے کیونکہ آیات حدِ قذف کے آخر میں توبہ کرنے والوں کا استثناء اور ان کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے۔اس آیت میں ایسا نہیں بلکہ دنیا و آخرت میں لعنت اور عذابِ عظیم بلا استثناء مذکور ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگائی اور پھر اس سے توبہ نہیں کی، یہاں تک کہ قرآن میں ان کی براءت نازل

ہونے کے بعد بھی وہ اپنے اس افتراء پر قائم اور تہمت کا چرچا کرنے میں مشغول رہے۔ظاہر ہے کہ یہ کام کسی مسلمان سے ممکن نہیں۔اور جو مسلمان بھی نصوص قرآن کے خلاف کرے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا اس لئے یہ مضمون ان منافقین کے بارے میں آیا ہے جنہوں نے آیاتِ براءت صدیقہؓ نازل ہونے کے بعد بھی اس مشغلۂ تہمت کو نہیں چھوڑا ان کے کافر منافق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

ایک اہم تنبیہ:

آیاتِ براءت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگائے وہ بلاشبہ کافر منکرِ قرآن ہے جیسا کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں ان کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں وہ باجماعِ امت کافر ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانا:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اپنی ساری تدبیریں صرف کرڈالیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے کی جو جو صورتیں کسی کے ذہن میں آسکتی تھیں وہ سبھی جمع کی گئیں۔ان میں شاید یہ آخری سخت اور روحانی ایذا تھی کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ عالم وفاضل اور مقدس ترین ام المومنین صدیقہ عائشہؓ پر اور ان کے ساتھ حضرت صفوان بن معطل جیسے مقدس صحابی پر عبداللہ بن ابی منافق نے تہمت گھڑی۔منافقین نے اس کو رنگ دیئے اور پھیلایا۔اس

میں سب سے زیادہ رنج دہ یہ بات ہوئی کہ چند سیدھے سادے مسلمان بھی ان کی سازش سے متاثر ہوکر تہمت کے تذکرہ کرنے لگے۔اس بے اصل و بے دلیل ہوائی تہمت کی چند روز میں خود ہی حقیقت کھل جاتی مگر ام المومنین کو اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو اس تہمت سے روحانی ایذا پہنچی تھی حق تعالیٰ نے اس کے ازالے اور صدیقہؓ کی براءت کے لئے وحیٔ الٰہی کے کسی اشارہ پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ قرآن کے تقریباً دو رکوع ان کی براءت میں نازل فرمائے۔اور جن لوگوں نے یہ تہمت گھڑی یا جن لوگوں نے اس کے تذکرہ میں حصہ لیا ان سب پر عذابِ دنیا وآخرت کی ایسی وعیدیں بیان فرمائیں کی شاید اور کسی موقع پر ایسی وعیدیں نہیں آئیں۔

(۲) غزوۂ احزاب میں منافقین کی شرارتیں:

حِزْب کے معنی پارٹی کے ہیں اور احزاب اس کی جمع ہے۔ چونکہ اس غزوہ میں کفار کی مختلف جماعتیں مسلمانوں کو ختم کرنے کے ارادے سے مدینہ پر چڑھ آئی تھیں اس لئے اس کا نام غزوۂ احزاب رکھا گیا۔دشمن کو روکنے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خندق کھودی تھی ، اس لئے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اس کے دوسرے سال غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔تیسرے سال غزوۂ احد پیش آیا، چوتھے سال غزوۂ احزاب پیش آیا۔اس حملہ میں کفار کی تعداد پندرہ ہزار تک بتائی جاتی ہے اور مسلمان صرف تین ہزار تھے اور وہ بھی بے سروسامان اور زمانہ سخت سردی کا۔قرآن کریم نے تو اس

واقعہ کی شدت بڑی ہولناک صورت میں یہ بیان فرمائی ہے، زَاغَتِ الْاَبْصَارُ (آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں) بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (کلیجہ منہ کو آنے لگے)، وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (سخت زلزلہ میں ڈالے گئے)۔

سورۂ احزاب میں اسی غزوہ کا ذکر ہے اور سورت شروع ہوتی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ (الاحزاب۔۱۔۳)

ترجمہ: اے نبی خدا سے ڈرتے رہیئے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کمال علم اور حکمت کا مالک ہے۔ اور آپ کے رب کی جانب سے جو حکم آپ کی طرف بھیجا جائے آپ اس کا اتباع کیجئے، بے شک اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اور آپ خدا پر بھروسہ رکھیئے اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔

اس آیت میں خطاب اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے مگر مراد امت کو سنانا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو معصوم تھے، احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی احتمال نہ تھا، مگر قانون پوری امت کے لئے ہے، ان کو سنانے کا عنوان یہ اختیار کیا گیا کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا جس سے حکم کی اہمیت بہت بڑھ گئی، کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے مخاطب ہیں تو امت کا کوئی فرد اس

سے کیسے مستثنیٰ ہوسکتا ہے۔

آگے منافقین کے تعلق سے فرمایا گیا۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ○ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْہُمْ یٰٓاَہْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْہُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَمَا ہِیَ بِعَوْرَۃٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ○ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْہِمْ مِّنْ اَقْطَارِہَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَۃَ لَاٰتَوْہَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِہَآ اِلَّا یَسِیْرًا ○ وَلَقَدْ کَانُوْا عَاہَدُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ وَکَانَ عَہْدُ اللّٰہِ مَسْئُوْلًا ○ قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَکُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰہِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَۃً وَلَا یَجِدُوْنَ لَہُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ○ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْکُمْ وَالْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِہِمْ ہَلُمَّ اِلَیْنَا وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ اَشِحَّۃً عَلَیْکُمْ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَہُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ تَدُوْرُ اَعْیُنُہُمْ کَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْہِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَہَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْکُمْ بِاَلْسِنَۃٍ حِدَادٍ اَشِحَّۃً عَلَی الْخَیْرِ اُولٰٓئِکَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰہُ اَعْمَالَہُمْ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ○ یَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ

يَذۡهَبُوۡا وَاِنۡ يَّاۡتِ الۡاَحۡزَابُ يَوَدُّوۡا لَوۡ اَنَّهُمۡ بَادُوۡنَ فِى الۡاَعۡرَابِ يَسۡاَلُوۡنَ عَنۡ اَنۡۢبَآئِكُمۡ وَلَوۡ كَانُوۡا فِيۡكُمۡ مَّا قٰتَلُوۡۤا اِلَّا قَلِيۡلًا ○

(الاحزاب۔۲۰-۱۲)

ترجمہ: اور جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یوں کہنے لگے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سب محض فریب تھا۔اور جب کہ ان منافقین میں سے کچھ لوگوں نے کہا اے اہلِ مدینہ یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں بس لوٹ چلو اور انہی منافقوں میں سے کچھ لوگ پیغمبر سے واپسی کی اجازت طلب کرنے لگے وہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ ان کے گھر کھلے نہیں پڑے ہیں بلکہ وہ محض بھاگنا چاہتے ہیں۔اور اگر مدینہ کے اطراف سے ان پر ویسا ہی کوئی لشکر آ چڑھے اور ان سے فتنہ وفساد کی شرکت کا مطالبہ کیا جائے تو وہ فوراً ہی فتنہ میں شریک ہو جائیں اور ان گھروں میں جن کو غیر محفوظ بتاتے ہیں بہت ہی کم ٹھہریں۔حالانکہ یہی لوگ اس واقعہِ خندق سے پہلے خدا سے عہد کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس ہوتی ہے۔اے پیغمبر آپ فرما دیجئے اگر تم موت یا قتل کے خوف سے بھاگتے ہو تو یہ بھاگنا تم کو ہرگز کچھ نفع نہیں دے سکتا اور ایسی حالت میں تم بجز چند دنوں کے کوئی خاص پھل نہیں پا سکتے یعنی بچ بھی گئے تو کے دن کو۔آپ فرما دیجئے اگر خدا تم کو کوئی برائی پہنچانی چاہے یا تم پر رحمت کرنی چاہے تو کون تم کو اس برائی سے بچا سکتا ہے یا کون

اس رحمتِ خداوندی کو روک سکتا ہے اور یہ لوگ خدا کے سوا نہ تو اپنا کسی کو حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔ خدا تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہے جو لوگوں کو جہاد کی شرکت سے روکتے اور اپنے بھائیوں سے یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ اور یہ لوگ جنگ میں نہیں آتے مگر بہت ہی کم۔ تمہارے حق میں بخل کا جذبہ لئے ہوئے پھر جب کوئی ڈر کی بات پیش آجاتی ہے تو اے پیغمبر آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف تکنے ہیں ان کی آنکھیں یعنی پتلیاں اس طرح پھرنے لگتی ہیں جس طرح کسی شخص پر موت کی بے ہوشی طاری ہو رہی ہو پھر جب وہ خوف کی بات دور ہو جائے تو یہ منافق اپنی تیز کلامی سے تم کو طعنے دینے لگتے ہیں اس حال میں کہ مالِ غنیمت پر انتہائی حریص ہوتے ہیں یہ لوگ حقیقت میں ایمان ہی نہیں لائے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے اور یہ اعمال برباد کر دینا اللہ پر بہت آسان ہے۔ ان منافقوں کا اب تک یہ خیال ہے کہ فوجیں واپس نہیں گئیں اور اگر کہیں وہ فوجیں پھر آ جائیں تب تو یہ منافق یوں تمنا کریں کہ وہ کسی طرح دیہاتیوں میں جا بسیں اور وہیں سے تمہاری خبریں دریافت کرتے رہیں اور اگر یہ بزدل تم میں رہ بھی جائیں تب بھی یہ جہاد نہ کریں مگر یوں ہی برائے نام۔

خندق کھودتے وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک سخت چٹان لگی۔ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے یہ دشواری پیش کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کدال لے کر خندق میں اترے اور آیت **تَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ**

صِدۡقًا (پوری ہوئی نعمت آپ کے رب کی سچائی کے ساتھ) پڑھ کر ایک ضرب لگائی تو ایک تہائی چٹان کٹ گئی اور ایک روشنی نکلی، یہی آیت پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو اور ایک تہائی چٹان کٹ گئی اور اس وقت بھی روشنی نکلی۔ تیسری مرتبہ وہی آیت پڑھ کر تیسری ضرب لگائی تو باقی چٹان بھی کٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خندق سے باہر آئے اور فرمایا پہلی ضرب میں جو روشنی نکلی میں نے اس روشنی میں یمن اور کسریٰ کے شہروں کے محلات دیکھے اور دوسری ضرب میں مجھے روم کے محلات دکھائے گئے اور جبرئیل امین نے مجھے بتایا کہ آپ کی امت یہ سب فتح کرے گی۔ یہ اشارہ سن کر سب مسلمان مطمئن ہوئے، اور آئندہ عظیم الشان فتوحات پر یقین ہوگیا۔

منافقین کی طعنہ زنیاں:

منافقین خندق کی کھدائی میں شامل تھے، وہ کہنے لگے کہ تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بات پر حیرت وتعجب نہیں ہوتا، وہ تمہیں کیسے باطل اور بے بنیاد وعدے سنا رہے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے اندر حیرہ اور مدائنِ کسریٰ کے محلات نظر آرہے ہیں اور یہ کہ تم ان کو فتح کروگے، ذرا اپنے حال کو تو دیکھو کہ تمہیں اپنے تن بدن کا تو ہوش نہیں، پیشاب پاخانے کی ضرورت پوری کرنے کی مہلت نہیں، تم ہو جو کسریٰ وغیرہ کے ملک کو فتح کروگے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا○ (ترجمہ: اور جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یوں کہنے لگے

کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سب محض فریب تھا)۔

یہ ان کے باطنی کفر کا اظہار تھا آگے عملی طور پر وہ منافقین جو ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ شریکِ جہاد تھے ان کے طبقوں کا ذکر ہے، ایک طبقہ تو بے پوچھے بھاگنے لگا، جس نے کہا یٰاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا (اے اہلِ یثرب یہاں سے لوٹ چلو، تمہارا کوئی مقام نہیں)، اور دوسرے طبقے نے حیلے بہانے تراش کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واپس چلے جانے کی درخواست کی جن کا حال یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ○ (اور انہی منافقوں میں سے کچھ لوگ پیغمبر سے واپسی کی اجازت طلب کرنے لگے وہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ ان کے گھر کھلے نہیں پڑے ہیں بلکہ وہ محض بھاگنا چاہتے ہیں)۔

قرآنِ کریم نے ان کے حیلے بہانوں کو کھول کر رکھ دیا کہ یہ سب جھوٹ ہے، حقیقت میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ میدان سے بھاگنا چاہتے ہیں، اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ○ (بلکہ وہ محض بھاگنا چاہتے ہیں)۔آگے آیتوں میں ان کی شرارتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

سورت کا اختتام منافقین اور مشرکین کے لئے عذاب کی وعید پر ہوتا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ

يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(الاحزاب۔ ۷۲، ۷۳)

ترجمہ: ہم نے اپنی امانت یعنی احکام کی ذمہ داری آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں کے روبرو پیش کی سوانہوں نے اس ذمہ داری کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس ذمہ داری سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا بے شک انسان بڑا ظالم بڑا ناعاقبت اندیش تھا۔ اس ذمہ داری کا انجام یہ ہونا ہے کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے گا اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر شفقت آمیز توجہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

امانت کا مفہوم تکلیفاتِ شرعیہ ہے۔ امانت کو پیش کرنے کا واقعہ تخلیقِ آدمؑ سے پہلے ہوا۔ حضرت آدمؑ نے جزا اور قربِ الٰہی کی امید میں اس کو اٹھالیا۔ آپؑ کی اولاد میں جو لوگ منافقین اور مشرکین اس کا حق ادا نہیں کریں گے اس لئے عذاب کے مستحق ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفاق سے بچ کر امانت کو صحیح طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۱) عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں منافقین کی شرارتیں (ج)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ
قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ○ (التوبہ۔۶۴)
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ۔

ترجمہ: منافق اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہوجائے جو مسلمانوں کو منافقوں کے مافی الضمیر سے باخبر کردے آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم مذاق اڑاتے رہو بیشک اللہ اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو ظاہر کرنے والا ہے۔

(۱) غزوۂ تبوک:

فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ پہنچے تو یہ خبر ملی کہ شاہِ روم ہرقل مقامِ تبوک میں سرحدِ شام پر اپنی فوجیں جمع کردی ہیں اور انہیں ایک سال کی پیشگی تنخواہیں دے دی ہیں اور اس کا تہیہ یہ ہے کہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کردے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ اس کے

حملہ کرنے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ اتفاق سے سخت گرمی کا زمانہ تھا، کھیتیاں اور باغات پک رہے تھے، سفر لمبا تھا اور مسلمان افلاس کی حالت میں تھے۔ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نفیرِ عام کا حکم دیا۔ جو ایمان والوں کے لئے سخت امتحان تھا جس میں وہ پورے اترے، منافقین مختلف حیلے بہانے کر کے پیچھے رہے اور کچھ منافقین جاسوسی اور شرارت کے لئے ساتھ ہو گئے تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں سے استہزاء کر رہے تھے۔ اس سورت میں ساتویں رکوع سے لے کر اختتامِ سورت تک منافقین کا ذکر ہے جس میں ان کی پول کھول دی گئی ہے۔ اس سورت کے تقریباً چودہ نام ہیں (براءۃ، توبہ، مقشقشہ، مبعثرہ، مشردہ، مخزیہ، فاضحہ، مثیرہ، حافرہ، منکلہ، مدمدمہ، سورۂ عذاب) جن میں براءۃ اور توبہ کو چھوڑ کر باقی سب نام منافقین کے احوال کے متعلق ہیں۔ مبعثرہ کے معنی باطن کو کھولنے والی، فاضحہ کے معنی رسوائی کرنے والی، مشردہ یعنی ہانکنے والی، مدمدمہ اور منکلہ دونوں کے معنی عذاب نازل کرنے والی۔

(۲) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ (التوبہ۔ ۷۳)

ترجمہ: اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ دوزخ بہت بری جگہ ہے۔

سورۂ تحریم کے اندر بھی یہ آیت انہی الفاظ میں وارد ہوئی ہے۔ کفار سے جہاد کا معاملہ تو واضح ہے لیکن منافقین سے جہاد کا مطلب خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تعامل سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ان کے ساتھ جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے کہ ان کو اسلام کی حقانیت سمجھنے کی طرف دعوت دیں۔ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ (کا معنی سخت رویہ اختیار کرنا)، لفظ غلظ کا اصل معنی یہ ہیں کہ مخاطب جس طرزِ عمل کا وہ مستحق ہے اس میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس جگہ غلظت استعمال کرنے سے عملی غلظت مراد ہے کہ ان پر احکامِ شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے۔ زبان اور کلام میں غلظت اختیار کرنا مراد نہیں، کیونکہ وہ سنتِ انبیاءؑ کے خلاف ہے، وہ کسی سے سخت کلامی اور سب وشتم نہیں کرتے۔

وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِيَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ○ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَكُمۡ لِيُرۡضُوۡكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗۤ اَحَقُّ اَنۡ يُّرۡضُوۡهُ اِنۡ كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ○ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّهٗ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيۡهَا ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ○ يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ○

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ○ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ○ (التوبہ۔۶۶-۶۱)

ترجمہ: اور ان منافقوں میں سے بعض وہ ہیں جو نبی کو ایذا پہنچاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ یہ شخص تو محض کان ہے آپ کہہ دیجئے وہ کان ہے تو تمہارے بھلے کے لئے ہے وہ نبی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مخلص مسلمان کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو لوگ اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں ان سے مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ منافق تم مسلمانوں کے سامنے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تم کو راضی کرلیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ سچے مسلمان ہیں تو ان کو راضی کریں۔کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے گا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔منافق اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہوجائے جو مسلمانوں کو منافقوں کے مافی الضمیر سے باخبر کردے آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم مذاق اڑاتے رہو بیشک اللہ اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو ظاہر کرنے والا ہے۔اور اگر آپ ان سے جواب طلب کریں تو یہ کہہ دیں گے کہ ہم تو

یوں ہی بات چیت اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ فرما دیجئے کہ کیا تم اللہ کے ساتھ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔اب تم بیکار عذر نہ کرو تم نے یقیناً اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے بعد کفر کیا ہے اگر ہم تم میں سے کسی خاص جماعت کو معاف بھی کر دیں تاہم ایک جماعت کو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے۔

بعض منافقین نے ازراہِ تمسخر کہا ''اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو دیکھو کہ شام کے محلات اور روم کے شہروں کو فتح کر لینے کا خواب دیکھتا ہے۔انہوں نے رومیوں کی جنگ کو عربوں کی باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔میں یقین کرتا ہوں کہ کل ہم سب رومیوں کے سامنے رسیوں میں بندھے ہوئے کھڑے ہوں گے۔یہ ہمارے قراء (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) پیٹو، جھوٹے اور نامرد کیا روم کی باقاعدہ فوجوں سے جنگ کریں گے'' وغیرہ ذلک من الھفوات۔اس قسم کے مقولے جو مسلمانوں کو خوف سے مرعوب و ہیبت زدہ کرنے اور شکستہ خاطر بنانے کے لئے کہہ رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں نقل ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بلا کر بازپرس کی تو کہنے لگے کہ حضرت! ہم کہیں سچ مچ ایسا اعتقاد تھوڑا ہی رکھتے ہیں؟ محض خوش وقتی و دل لگی کے طور پر کچھ کہہ رہے تھے کہ باتوں میں بآسانی سفر کٹ جائے۔

(تفسیرِ عثمانی)

(۳) اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حملہ کرنے کا ارادہ:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا (التوبہ۔۷۴)

ترجمہ: یہ منافق خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے وہ بات نہیں کہی حالانکہ یقیناً انہوں نے کلمۂ کفر کہا ہے اور اپنے اسلام کو ظاہر کرنے کے بعد وہ کفر کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے ایک ایسی بات کا بھی ارادہ کیا تھا جسے وہ اتفاقاً حاصل نہ کر سکے۔

غزوۂ تبوک سے واپسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ کو تشریف لے جا رہے تھے۔تقریباً بارہ منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہاتھ چلائیں اور معاذ اللہ پہاڑی سے گرادیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمارؓ تھے۔حضرت عمارؓ کو انہوں نے گھیر لیا تھا مگر حضرت حذیفہؓ نے مار مار کر ان کی اونٹنیوں کے منہ پھیر دیئے۔چونکہ چہرے چھپائے ہوئے تھے،حذیفہؓ وغیرہ نے انہیں نہیں پہچانا۔بعدہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حذیفہ وعمار رضی اللہ عنہما کو نام بنام ان کے پتے بتا دیئے مگر منع فرما دیا کہ کسی کو ظاہر نہ کریں۔اسی واقعہ کی طرف وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا میں اشارہ ہے کہ جو ناپاک قصد انہوں نے کیا،خدا کے فضل سے پورا نہ ہوا۔

(تفسیرِ عثمانی)

(۴) اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل اور اہلِ ایمان کے صدقات پر طعنہ زنی:

منافقین خود تو خرچ نہیں کرتے تھے اور اہلِ ایمان جو اپنی حیثیت کے موافق بلکہ حیثیت سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال خرچ کر رہے تھے ان پر طعنہ زنی کرنا ان کا شیوہ تھا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ○ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ○ (۷۷-۷۵)

ترجمہ: اور ان منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کہا تھا کہ اگر اللہ ہم کو اپنے فضل سے مال و دولت عطا کرے گا تو ہم خوب خیرات کریں گے اور ضرور ہم اس کے نیک بندوں میں سے ہوں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے مال عطا کیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور روگرداں ہو کر اپنے عہد سے پھر گئے۔ پھر ان کی اس حرکت کا یہ انجام ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لئے نفاق قائم کر دیا جس دن وہ اس کی پیشی میں حاضر ہوں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ کر کے خلاف کیا اور نیز اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے حق میں دولت مند ہوجانے کی دعاء فرمادیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تو خدا کا شکر ادا کرے، اس بہت چیز سے اچھی ہے جس کے حقوق ادا نہ کرسکے۔ اس نے پھر وہی درخواست کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقشِ قدم پر چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انکار پر اس کا اصرار بڑھتا رہا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر خدا مجھ کو مال دے گا میں پوری طرح حقوق ادا کروں گا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعاء فرمائی، اس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی ضرورت پڑی اور اتنا پھیلاوا ہوا کہ ان میں مشغول ہوکر رفتہ رفتہ جمعہ و جماعت بھی ترک کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد حضور کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے محصل پہنچے تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ وہ ایک دفعہ ٹلا کر آخر زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا ''وَیحَ ثعلبہ (خرابی ہے ثعلبہ کے لئے)'' اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب اس کے بعض اقارب نے اس کی خبر پہنچائی تو بادلِ ناخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو تیری زکوٰۃ لینے سے منع فرمادیا ہے۔ یہ سن کر اس نے بہت ہائے واویلا کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زکوٰۃ قبول نہ کرنا اس کے لئے بہت بڑی عار کی بات تھی۔ بدنامی کے تصور سے سر پر خاک ڈالتا تھا۔ مگر دل میں نفاق چھپا ہوا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر

صدیقؓ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی، دونوں نے انکار فرمایا۔ ہر ایک یہی کہتے تھے کہ جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رد کر دی ہے ہم اسے قبول نہیں کر سکتے۔ آخر اسی حالتِ نفاق پر حضرت عثمانؓ کے عہد میں اس کا خاتمہ ہوا۔ یعنی خدا سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولتے رہنے کی سزا میں ان کے بخل واعراض کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے نفاق کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہوگئی جو موت تک نکلنے والی نہیں تھی۔ (تفسیرِ عثمانی)

(۵) منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ممانعت:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ○ (التوبہ۔ ۸۴)

ترجمہ: اور اے پیغمبر آئندہ ان میں سے جب کوئی مرجائے تو کبھی اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں اور نہ آپ اس کی قبر پر جا کر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالتِ کفر ہی میں مرے بھی ہیں۔

احادیثِ صحیحہ سے باتفاقِ امت ثابت ہے یہ آیت عبداللہ بن ابی منافق کی موت اور اس کی نمازِ جنازہ کے متعلق نازل ہوئی۔ اس کے جنازے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھی، جس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی منافق کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن

عمرؓ سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی بن سلول مرگیا تو اس کے صاحب زادے عبداللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ اپنا قمیص عطا فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قمیصِ مبارک عطا فرمایا اور نمازِ جنازہ کے لئے کھڑے ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کپڑا پکڑا اور نماز پڑھنے سے روکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں اور آیت میں جو ستر مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرسکتا ہوں۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (التوبہ۔۸۰)

ترجمہ: اے پیغمبر آپ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا یہ عدم مغفرت اس سبب سے ہے کہ انہوں نے اللہ کے اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ ایسے نافرمانوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

اس آیت کا ظاہری مفہوم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اختیار دینا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوسرے مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا کرتہ دیا کیونکہ عبداللہ

بن ابی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ قید ہو کر آ گئے تھے تو اس نے کرتہ دیا تھا، اسی کے احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا کرتہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کرنے سے اس کی مغفرت ہوجائے گی تو میں یہ بھی کرتا۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ اس واقعہ کو دیکھ کر خزرج قبیلہ (عبداللہ بن ابی کا قبیلہ) کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوگئے۔ اور سب سے اہم سبب اس کے صاحب زادے عبداللہ جو مخلص صحابی تھے ان کی دل جوئی کرنے کے لئے ایسا کیا۔ لیکن آیت لَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (اور آپ کبھی بھی ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھیں گے) نازل ہونے کے بعد کسی منافق کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں پڑھی۔ (معارف القرآن۔جلد چہارم)

(۶) عذرِ لنگ:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ○ (التوبہ۔۴۹،۵۰)

ترجمہ: اور انہی منافقوں میں سے وہ شخص بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھ کو (پیچھے) رہ جانیکی اجازت دیدیجئے اور مجھ کو کسی فتنہ میں نہ ڈالئے آگاہ ہوجاؤ یہ لوگ فتنے میں تو گر ہی چکے ہیں اور بیشک دوزخ کافروں کو ضرور گھیرنے والی ہے۔ اگر آپ کو کوئی

بھلائی پہنچتی ہے تو وہ ان کے لئے رنجدہ ہوتی ہے اور اگر آپ کو کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی سے اپنے بارے میں دوراندیشی کا پہلو اختیار کرلیا تھا اور خوش ہوتے ہوئے تمہارے پاس سے واپس جاتے ہیں۔

منافقین جہاد میں نکلنے کے لئے مختلف بہانے کرتے۔ جان و مال سے بے انتہا محبت ہونے کی وجہ سے اللہ کی راہ میں قربان کرنا دشوار تھا۔ بادلِ ناخواستہ مالِ غنیمت کی طمع میں اگر نکلتے تو بھی ایمان والوں کے دلوں میں پست ہمتی پیدا کرتے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کا مذاق کرتے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوات سے مظفر ہوکر لوٹتے تو پیچھے رہ جانے کے بہانے بنا کر اپنی ساکھ قائم رکھنے کی کوشش کرتے۔ ایک منافق جد بن قیس سے نکلنے کے لئے کہا گیا تو اس نے کہا کہ حضرت مجھے تو یہیں رہنے دیجئے۔ روم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں میں انہیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں گا۔ تو مجھے وہاں لے جا کر گمراہی میں نہ ڈالیئے۔ فرمایا کہ یہ لفظ کہہ کر اور اپنے جُبن و کفر پر جھوٹی پرہیزگاری کا پردہ ڈال کر وہ گمراہی کے گڑھے میں گر چکا۔ اور آگے چل کر کفر و نفاق کی بدولت دوزخ کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔ بعض نے آیت کو عام منافقین کے حق میں رکھا ہے اور لَا تَفْتِنِّيْ (مجھے فتنہ میں مبتلا مت کیجئے) کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم کو ساتھ لے جا کر اموال وغیرہ کے نقصان میں مبتلا نہ کیجئے اس کا جواب اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا (خوب سن لو کہ وہ فتنہ میں پڑ گئے ہیں) سے دیا۔ (تفسیرِ عثمانی)

(۷) مسجدِ ضرار کی تعمیر:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ○ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ○ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ○ (التوبہ-۱۱۰-۱۰۷)

ترجمہ: اور کچھ منافق وہ ہیں جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں اور کفر کو تقویت دیں اور اہلِ ایمان میں تفریق پیدا کریں اور اس مسجد کو اس شخص کا اڈا مقرر کریں جو ایک عرصہ سے اللہ اور اس کے رسول سے برسرِ پیکار ہے وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر یوں کہیں گے کہ ہمارا مقصد تو سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں تھا اور اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ اے پیغمبر آپ اس مسجد میں کبھی جا کر کھڑے نہ ہوں البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ مسجد اس کی مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس مسجد

میں ایسے لوگ ہیں جو خوب صاف ستھرے رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پاکیزگی اختیار کرنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ بھلا وہ شخص جو اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور خدا کی خوشنودی پر رکھے وہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جو اپنی عمارت کی بنیاد کسی کھائی کے ایسے کڑاڑے کے کنارے پر رکھے جو گرا ہی چاہتا ہو پھر وہ کڑاڑا اس بانی کو لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کی راہنمائی نہیں کیا کرتا۔ ان لوگوں کی عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں ہمیشہ موجبِ شک ونفاق رہے گی یہاں تک کہ ان کے قلوب ہی پارا پارا ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا بڑی حکمت والا ہے۔

اس ناپاک تجویز کا محرک ایک شخص ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ ہجرت سے پہلے اس شخص نے نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ خصوصاً قبیلہ خزرج خاص کر اس کے زہد ودرویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدوم میمنت لزوم سے جب مدینہ میں ایمان وعرفان کا آفتاب چمکا تو اس طرح کے درویشوں کا بھرم کھلنے لگا۔ بھلا نورِ آفتاب کے سامنے چراغ مردہ کو کون پوچھتا۔ ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں ٹھیٹ ملت ابراہیمی لے کر آیا ہوں کہنے لگا کہ میں پہلے سے اسی پر قائم ہوں لیکن تم نے اپنی طرف سے ملتِ ابراہیمی میں اس کے خلاف چیزیں داخل کر دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت زور سے اس کی تردید فرمائی۔

آخراس کی زبان سے نکلا کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو خدا اس کو وطن سے دور یکہ وتنہا غربت و بے بسی کی موت مارے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آمین'' (خدا ایسا ہی کرے) کہی۔جنگِ بدر کے بعد جب اسلام کی جڑیں مضبوط ہوگئیں اور مسلمانوں کا عروج وفروغ حاسدوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ابو عامر کو تاب نہ رہی۔ بھاگ کر مکہ پہنچا تا کہ کفارِ مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں چڑھا کر لائے۔چنانچہ معرکہ احد میں قریش کے ساتھ خود آیا۔مبارزہ شروع ہونے سے پہلے آگے بڑھ کر انصارِ مدینہ کو جو عہدِ جاہلیت میں اس کے بڑے معتقد تھے، خطاب کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔احمق یہ نہ سمجھا کہ پیغمبرانہ تصرف کے سامنے اب وہ پرانا جادو کہاں چل سکتا ہے۔آخر انصار نے جو اسے پہلے راہب کہہ کر پکارتے تھے، جواب دیا کہ او فاسق دشمن خدا! تیری آنکھ خدا کبھی ٹھنڈی نہ کرے۔کیا رسولِ خدا کے مقابلہ میں ہم تیرا ساتھ دینگے؟ انصار کا مایوس کن جواب سن کر کچھ حواس درست ہوئے اور غیظ میں آکر کہنے لگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آئندہ جو قوم بھی تیرے مقابلہ کے لئے اٹھے گی، میں برابر اس کے ساتھ رہوں گا۔چنانچہ جنگِ حنین تک ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑتا رہا۔احد میں اسی کی شرارت سے حضور کو چشم زخم پہنچا۔دونوں صفوں کے درمیان اس نے پوشیدہ طور پر کچھ گڑھے کھدوا دیئے تھے۔ وہیں چہرۂ مبارک کے زخمی ہونے اور دندانِ مبارک شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا۔ حنین کے بعد جب ابو عامر نے محسوس کرلیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے

میں کامیاب نہیں ہوسکتی تو بھاگ کر ملکِ شام پہنچا۔ اور منافقینِ مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصرِ روم سے مل کر ایک لشکرِ جرار محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو چشم زدن میں ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دے گا اور مسلمانوں کو بالکل پامال کر کے چھوڑے گا (العیاذ باللہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنالو۔ جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہوکر اسلام کے خلاف ہر قسم کے سازشی مشورے ہوسکیں۔ اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کرے اور میں بذاتِ خود آؤں تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور ملنے کی ہو، یہ خبیث مقاصد تھے جن کے لئے مسجدِ ضرار تعمیر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روبرو بہانہ یہ کیا گیا کہ یارسول اللہ! خدا کی قسم ہماری نیت بری نہیں بلکہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں ناتوانوں اور اربابِ حوائج کو مسجدِ قبا تک جانا دشوار ہوتا ہے اس لئے یہ مسجد بنائی گئی ہے تاکہ نمازیوں کو سہولت ہو اور مسجدِ قبا میں تنگیٔ مکان کی شکایت نہ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مرتبہ وہاں چل کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لئے موجبِ برکت وسعادت ہو۔ یہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طرزِ عمل دیکھ کر بعض سادہ دل مسلمان حسنِ ظن کی بناء پر ان کے جال میں پھنس جائیں۔ آپ اس وقت تبوک جانے کے لئے پابرکاب تھے۔ فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو واپسی پر ایسا ہوسکے گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تبوک سے واپس ہوکر بالکل مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے، تب جبرئیل علیہ السلام یہ آیات لے کر آئے جن میں منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع کر کے مسجدِ ضرار کا پول کھول دیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام ازراہِ خداع وفریب مسجد رکھا گیا تھا) گرا کر پیوند زمین بنا دو۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اس طرح منافقینا ور ابو عامر فاسق کے سب ارمان دل کے دل میں رہ گئے اور ابو عامر اپنی دعا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمین کے موافق قنسرین (ملکِ شام) میں تنہا سخت بے کسی کی موت مرا۔ ''فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ''۔ آیت میں مَنْ حَارَبَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ (جس نے اللہ اور رسول سے جنگ کی) سے مراد یہی ابو عامر فاسق ہے۔ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی وہ مسجد، مسجدِ قبا یا مسجدِ نبوی ہے، وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز کے لائق ہے۔ اس کے نمازی ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک ہیں۔ (تفسیرِ عثمانی)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفاق کے عقائد، اعمال اور احوال سے پناہ میں رکھے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۲) منافقین کی ایک جامع تصویر، ان کی ایک سازش اور عالمِ حشر میں ان کی نامرادی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ

رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(المنفقون۔۱۔۸)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ۔

ترجمہ: اے پیغمبر! جب یہ منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بیشک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں یعنی جو کہتے ہیں اس پر اعتقاد نہیں۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے سو یہ لوگ خدا کی راہ سے روکتے ہیں بیشک وہ کام بہت برے ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ ہم اس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ یہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے لہٰذا ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی اب یہ لوگ حق بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ اور اے پیغمبر جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ظاہری جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتوں کو دلچسپ ہونے کی وجہ سے کان لگا کر سنیں گویا وہ خشک لکڑیاں ہیں جو کسی دیوار کے سہارے لگا دی گئی ہیں وہ ہر بلند آواز کو اپنے ہی خلاف خطرہ سمجھتے ہیں یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے بچتے رہیئے خدا ان کو ہلاک کرے یہ کہاں پھرے چلے جا رہے ہیں۔ اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا

رسول تمہارے لئے بخشش طلب کرے تو یہ لوگ اپنے سروں کو پھیر لیتے ہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ متکبرانہ انداز کے ساتھ بے رخی برتتے ہیں۔اے پیغمبر ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں خواہ آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں کی راہنمائی نہیں کیا کرتا۔ یہ لوگ وہی تو ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس رہتے ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو تا کہ وہ خود بخود منتشر ہو جائیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آسمانوں کے اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن یہ منافق اتنی بات بھی نہیں سمجھتے نیز یہ منافق یوں کہتے ہیں اگر اب کے ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے لئے ہے لیکن یہ منافق اس بات کو نہیں جانتے۔

سورۂ منافقون کا شانِ نزول:

سنہ ۵ ہجری میں غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے دوران سفر میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اس سورت میں منافقین کی ایک جامع تصویر کھینچی گئی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ بنی مصطلق کے رئیس حارث بن ضرار آپ کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود مسلمانوں کی ایک جماعت کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلے۔ منافقین کی ایک جماعت بھی مالِ غنیمت کی طمع میں

مسلمانوں کے ساتھ ہوگئی۔ جب بنی مصطلق پر پہنچے تو ایک کنواں جو مریسیع کے نام سے تھا وہاں جانبین کی طرف سے تیروں کا مقابلہ ہوا۔ بنی مصطلق کے بہت سے آدمی مارے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ جویریہ جو حارث بن ضرار سردار کی لڑکی تھی قیدی ہو کر آ گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی کتابت کی رقم ادا کر کے آزاد کر کے اپنے نکاح میں لیا۔ اور ان کے والد حارث بن ضرار بھی مسلمان ہو گئے۔

مسلمانوں کا لشکر ابھی اسی کنویں پر جمع تھا، ایک مہاجر اور انصاری کا پانی پر باہم جھگڑا ہو گیا۔ مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصار کو۔ قریب تھا کہ ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اطلاع ہوتے ہی فوراً موقع پر تشریف لے گئے اور فرمایا مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ (یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟) وطنی، نسبی اور قومیت کو بنیاد بنا کر امداد اور دفعہ کا معاملہ ہونے لگا ہے۔ اور فرمایا کہ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ (اس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار نعرہ ہے) اور فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنے ہر مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہیئے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ مظلوم کی مدد تو ظاہر ہے، ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے۔ ہر وہ مسلمان خواہ وہ مہاجری ہو یا انصاری ہو اور کسی قبیلہ یا خاندان کا ہو یہ فرض ہو جاتا ہے کہ مظلوم کو ظلم سے چھڑائے، اور ظالم کا ہاتھ روکے، خواہ وہ اپنا حقیقی بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا۔ جھگڑے

کرنے والے ظالم اور مظلوم پھر بھائی بھائی بن گئے۔

عبداللہ بن ابی کو جو منافقین کا سردار تھا، مہاجرین اور انصار کے تصادم کی خبر ملی تو اس نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا موقعہ غنیمت پایا۔ اپنی مجلس میں جس میں منافقین تھے اور مومنین میں سے صرف زید بن ارقم موجود تھے، اس نے انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا۔ اور کہنے لگا کہ تم نے ان کو اپنے وطن بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا ہے اور اپنے اموال وجائیداد ان کو تقسیم کر کے دے دیئے۔ یہ تمہاری روٹیوں پر پلے ہوئے ہیں۔ اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو تمہارا جینا مشکل کر دیں گے۔ آئندہ مال سے ان کی مدد نہ کرو تو خود ہی ادھر ادھر بھاگ جائیں گے۔ اب تمہیں چاہیئے کہ تم جب مدینہ پہنچ جاؤ تو تم میں جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو باہر نکال دے۔ اس کی مراد عزت والے سے خود اپنی جماعت اور انصار تھے اور ذلیل سے مراد معاذ اللہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مہاجرین تھے۔ حضرت زید بن ارقم نے جب اس کا کلام سنا تو فوراً کہا کہ واللہ! تو ہی ذلیل وخوار اور مبغوض ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کی طرف سے دی ہوئی عزت اور مسلمانوں کی دلی محبت سے کامیاب ہیں۔ عبداللہ بن ابی نے عذر کیا کہ میں نے تو ہنسی میں بات کہہ دی تھی۔ میرا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کچھ کہنا نہیں تھا۔ حضرت زید بن ارقم اس مجلس سے اٹھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابنِ ابی کا سارا واقعہ کہہ سنا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ خبر بہت شاق ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے ان سے کہا کہ لڑکے تم جھوٹ تونہیں بول رہے ہو؟ زید بن ارقم نے قسم کھا کر کہا کہ میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں میں نے اپنے کانوں سے یہ کلمات سنے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تمہیں کچھ شبہ تونہیں ہوگیا؟ زید بن ارقم نے وہی جواب دیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں ابنِ ابی کی بات پھیل گئی۔ انصار زید بن ارقم کو ملامت کرنے لگے تو انہوں نے کہا کہ مجھے ابنِ ابی سے زیادہ کوئی محبوب نہیں مگر جب اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف جب یہ کلمات کہے تو میں برداشت نہیں کرسکا، اگر میرا باپ بھی یہ کلمات کہتا تو میں ضرور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچاتا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے عمر! لوگوں میں یہ شہرت دی جائے گی کہ میں اپنے اصحاب کو قتل کردیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کی خبر عبداللہ بن ابی کے بیٹے کو پہنچی۔ یہ پکے مسلمان تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا اگر آپ کا ارادہ میرے باپ کو قتل کرنے کا ہے تو مجھے حکم کیجئے میں میرے باپ کا سر آپ کی خدمت میں اس سے پہلے کہ آپ مجلس سے اٹھیں پیش کردوں گا۔ آپ نے کسی اور کو قتل کا حکم دیا ہے اور وہ قتل کرے تو ایسا نہ ہو کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو دیکھوں تو میری غیرتِ نسبی غالب آجائے اور میں اسے قتل کر بیٹھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرا ارادہ قتل کرنے کا نہیں ہے اور نہ میں نے کسی کو اس کا حکم دیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد عام عادت کے خلاف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

بے وقت سفر کا اعلان فرما دیا۔ جب عام حضرات روانہ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو بلایا اور دریافت کیا کہ کیا تم نے ایسا کہا ہے؟ یہ قسمیں کھا گیا کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا یہ زید بن ارقم جھوٹا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لشکر کے ساتھ پورے دن اور پوری رات سفر کرتے رہے۔ اگلے روز صبح کو بھی سفر کرتے رہے یہاں تک کہ دھوپ تیز ہوگئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قافلہ کو ایک جگہ ٹھہرایا۔ مسلسل سفر سے تھکے ہوئے صحابہ کرامؓ محوئے خواب ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفر شروع کیا۔ زید بن ارقم نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کے وقت ہوتی تھی۔ سانس پھولنے لگا اور پیشانی مبارک پر پسینہ بہنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری بوجھ سے دبنے لگی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ کیفیت رفع ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرا کان پکڑا اور فرمایا یَا غُلَامُ صَدَّقَ اللّٰہُ حَدِیْثَکَ وَنَزَلَتْ سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقِیْنَ فِیْ اِبْنِ اُبَیٍّ مِّنْ اَوَّلِھَا اِلٰی اٰخِرِھَا (اے لڑکے! اللہ نے تیری بات کی تصدیق کردی اور پوری سورۂ منافقون اسی واقعۂ ابنِ ابی کے متعلق نازل ہوئی)۔

جب وادیٔ عقیق پہنچے تو عبداللہ بن ابی منافق کے مومن صاحب زادے آگے بڑھے اور تمام سواریوں میں تلاش کرتے ہوئے اپنے باپ کی سواری کے قریب پہنچ کر اس کی اونٹنی کو بٹھایا اور اس کے گھٹنے پر اپنا پاؤں رکھ کر کہا کہ خدا کی قسم تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں اجازت نہ دیں

اور جب تک تم یہ واضح نہ کردو کہ تم نے جو بات کہی کہ عزت والا ذلیل کو نکال دے گا، اس میں عزت والا کون ہے اللہ کے رسول یا تم! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری جب قریب آ گئی اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صاحبزادے سے کہا کہ ان کا راستہ چھوڑ دو اور انہیں مدینہ میں جانے دو۔ تب بیٹے نے راستہ چھوڑ دیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دیکھا عبداللہ بن ابی یہ کہہ رہا تھا کہ میں بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔

واقعہ مذکورہ میں اہم ہدایت اور فوائد:

(۱) اسلامی سیاست کا سنگِ بنیاد خالص اسلامی برادری قائم کرنا ہے جس میں رنگ و نسل اور زبان اور ملکی اور غیر ملکی کے سب امتیازات ختم کر دیئے جاویں۔

(۲) صحابہ کرامؓ کی اسلامی اصول پر بے نظیر ثابت قدمی اور مقامِ بلند۔ وقتی طور پر جاہلیت کے نعرہ میں مبتلا ہو گئے۔ چونکہ ایمان ان کے دلوں میں رچا بسا تھا، ذرا سی تنبیہ کے بعد تائب ہو گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور عظمت کا ایسا غلبہ تھا، کوئی رشتہ، ناطہ، برادری اور قومیت حائل نہ ہوئی۔ زید بن ارقم خود قبیلۂ خزرج سے تھے اور سردار سے محبت بھی کرتے تھے مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کوئی بات بھی برداشت نہ کر سکے۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے نے خود حاضر ہو کر اپنے باپ کا سر قلم کرنے کی اجازت طلب کی۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد   فدائے یک تنِ بیگانہ کاشنا باشد

(۴) مسلمانوں کے مصالح عامہ کی رعایت سے ان کو غلط فہمی سے بچانے کا اہتمام۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عبداللہ بن ابی کا نفاق کھل جانے کے باوجود بھی اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تاکہ لوگوں میں غلط فہمی پھیل جائے گی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اصحاب کو بھی قتل کردیتے ہیں۔ غلط فہمی کے خطرہ سے ایسے کاموں کو چھوڑا جاسکتا ہے جو مقاصدِ شرعیہ میں سے نہ ہوں گو مستحب اور کارِ ثواب ہوں۔ کسی مقصدِ شرعی کو ایسے خطرہ سے ترک نہیں کیا سکتا بلکہ خطرہ کے ازالے کی فکر کی جائے گی اور اس کام کو کیا جائے گا۔ (ملخصاً معارف القرآن۔جلد ہشتم)

عالمِ حشر میں ان کی نامرادی:

یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُهُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَبِاَیۡمَانِهِمۡ بُشۡرٰکُمُ الۡیَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ○ یَوۡمَ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِکُمۡ قِیۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآئَکُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا فَضُرِبَ بَیۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُ ○ یُنَادُوۡنَهُمۡ اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی وَلٰکِنَّکُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ وَتَرَبَّصۡتُمۡ وَارۡتَبۡتُمۡ وَغَرَّتۡکُمُ الۡاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَغَرَّکُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ○ فَالۡیَوۡمَ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡکُمۡ فِدۡیَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مَاۡوٰکُمُ النَّارُ هِیَ مَوۡلٰکُمۡ

وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ○ (الحدید۔۱۵-۱۲)

ترجمہ: اے نبی وہ دن قابلِ ذکر ہے جس دن آپ ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کو اس حال میں دیکھیں گے کہ ان کا نور تیز رفتار سے ان کے آگے اور ان کی داہنی جانب چلتا ہوگا۔ کہا جائے گا کہ آج تم کو ایسے باغوں کی خوش خبری دی جاتی ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ نور اور بشارت ہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں اہلِ ایمان سے یوں کہتے ہوں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرلو کہ ہم بھی تمہاری روشنی سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔ ان سے کہا جائے گا اپنے پیچھے کی جانب الٹے ہی لوٹ جاؤ اور وہاں روشنی تلاش کرو اتنے میں ان منافقوں اور مومنوں کے درمیان ایک ایسی دیوار قائم کردی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا اس دیوار کے اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب اس کے عذاب ہوگا۔ یہ منافق مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے وہ جواب دیں گے کہ تم ہمارے ساتھ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی میں مبتلا کر رکھا تھا اور تم ہم پر حوادثات کے منتظر رہا کرتے تھے اور تم دین کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے تھے اور تمہاری غلط آرزوؤں نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا کہ یہاں تک کہ خدا کا حکم آپہنچا اور اللہ کے بارے میں تم کو اس دھوکے باز یعنی شیطان نے دھوکہ میں مبتلا رکھا۔غرض آج نہ تو تم منافقوں سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا اور تم سب کا ٹھکانا

دوزخ ہے وہ دوزخ ہی تمہارے لائق ہے اور وہ بازگشت (لوٹ کر جانے) کی بہت بری جگہ ہے۔

طبرانی نے حضرت ابنِ عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا میدانِ حشر میں پل صراط کے پاس اللہ تعالیٰ ہر مومن کو نور عطا فرمائیں گے اور ہر منافق کو بھی۔ مگر جس وقت یہ پل صراط پر پہنچ جائیں گے تو منافقین کا نور سلب کر لیا جائے گا۔ مسلم، احمد اور دار قطنی میں حضرت جابر بن عبداللہ کی مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ شروع میں مومن و منافقین دونوں کو نور دیا جائے گا پھر پل صراط پر پہنچ کر منافقین کا نور سلب ہو جائے گا۔

اس وقت وہ مومنین سے درخواست کریں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھالیں کیونکہ ہم دنیا میں بھی نماز، زکوٰۃ، حج، جہاد سب چیزوں میں تمہارے شریک رہا کرتے تھے، تو ان کو اس درخواست کا جواب نامنظوری کی شکل میں دیا جائے گا۔ منافقین کے مناسبِ حال تو یہی ہے کہ پہلے ان کو بھی مسلمانوں کی طرح نور ملے پھر اس کو سلب کر لیا جائے جس طرح وہ دنیا میں خدا اور رسول کو دھوکہ دینے کی ہی کوشش میں لگے رہتے تھے، ان کے ساتھ قیامت میں معاملہ بھی ایسا کیا جائے گا جیسے کسی کو دھوکہ دینے کے لئے کچھ روشنی دکھلا کر بجھا دی جائے، جیسا کہ ان کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ یعنی ”منافقین اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکا

دینے والا ہے'' امام بغویؒ نے فرمایا کہ اس دھوکہ سے یہی مراد ہے کہ پہلے نور دے دیا جائے گا مگر عین اس وقت جب نور کی ضرورت ہوگی سلب کرلیا جائے گا۔اور یہی وہ وقت ہوگا جب کہ مومنین کو بھی یہ اندیشہ لگ جائے گا کہ کہیں ہمارا نور بھی سلب نہ ہوجائے ،اس لئے وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ ہمارے نور کو آخر تک پورا کردیجئے، جس کا ذکر اس آیت میں ہے (یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَبِاَیۡمَانِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○)(التحریم۔۸)

ترجمہ: جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ان مسلمانوں کو جو ان کے ساتھی ہیں ہر قسم کی رسوائی سے محفوظ رکھے گا ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے داہنے تیز رفتار سے آگے چلتا ہوگا اور وہ یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے اس نور کو ہمارے لئے آخر تک قائم رکھ اور ہماری مغفرت کر بیشک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

چونکہ منافقین کے دل ایمان کے نور سے خالی تھے، جھوٹ ظاہری طور پر ایمان کا اظہار کرتے تھے اور اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے تھے۔میدانِ حشر میں ان کی اس طرح رسوائی کی جائے گی۔یہ بات تو طے ہے کہ وہ اپنے کفر کو چھپا کر دھوکہ دینے کی وجہ سے دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں رہیں گے۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَہُمۡ نَصِیۡرًا ○

(النساء۔۱۴۵)

ترجمہ: یقین جانو منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور آپ ان کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔ (معارف القرآن)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفاق سے بچائے اور اس دنیا میں سچے ایمان کے ساتھ رکھے اور آخرت میں نورِ ایمان عطا فرما کر جنت میں داخل کرے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۳) منافقین کے اعمال اور ان کی علامتیں

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○
وَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَیَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ○ (العنکبوت۔۱۱)
صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ وَصَدَقَ رَسُوۡلُہُ الۡکَرِیۡمُ وَنَحۡنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیۡنَ وَالشّٰکِرِیۡنَ۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ضرور ان لوگوں کو نمایاں کر کے رہے گا جو صحیح ایمان لائے اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا۔

سورۂ عنکبوت گو کہ مکی سورت ہے اور منافقین کا ظہور تو مدینہ میں ہوا تاہم اللہ تعالیٰ نے بطورِ تنبیہ کے یہ بات بیان کی کہ منافقین کو ہم ضرور ظاہر کر کے رہیں گے۔ منافقین چونکہ ایمان سے خالی تھے اس لئے ان سے ایمان کے منافی اعمال ہی ظاہر ہوتے تھے۔

(۱) عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ عَمۡرٍو قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ اَرۡبَعٌ مَنۡ کُنَّ فِیۡہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنۡ کَانَتۡ فِیۡہِ خَصۡلَۃٌ مِنۡھُنَّ کَانَتۡ فِیۡہِ خَصۡلَۃٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا اِذَا اؤۡتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا عَاھَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں یہ چاروں باتیں جمع ہوجائیں وہ تو پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوگئی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے، جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو توڑ ڈالے اور جب جھگڑا کرے تو بے قابو ہوجائے (گالیاں بکنے لگے)۔

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنَّ لِلْمُنَافِقِیْنَ عَلَامَاتٍ یُعْرِفُوْنَ بِهَا تَحِیَّتُهُمْ لَعْنَةٌ وَطَعَامُهُمْ نُهْبَةٌ وَغَنِیْمَتُهُمْ غُلُوْلٌ وَلَا یَقْرَبُوْنَ الْمَسَاجِدَ اِلَّا هُجْرًا وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا دُبُرًا مُسْتَكْبِرِیْنَ لَا یَاْلِفُوْنَ وَلَا یُؤْلَفُوْنَ خُشُبٌ بِاللَّیْلِ صُخُبٌ بِالنَّهَارِ (احمد، ابنِ کثیر)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ منافقوں کی چند علامتیں ہیں جن کے ذریعہ سے وہ شناخت کئے جاسکتے ہیں۔ سلام کی بجائے ان کی زبانوں پر لعنت کا لفظ رہتا ہے۔ لوٹ کا مال ان کی خوراک ہوتی ہے، خیانت کا مال ان کا مالِ غنیمت ہوتا ہے، مسجدوں کے قریب نہیں آتے بجز بیہودہ بکواس کرتے ہوئے، اور نمازوں میں شریک نہیں ہوتے مگر سب سے آخر میں۔ اتراتے ہوئے، نہ خود کسی سے الفت رکھتے ہیں۔ نہ ان سے کوئی الفت رکھتا ہے، شب میں شہتیر کی طرح بستروں پر پڑے رہتے ہیں اور دن میں شور مچاتے پھرتے ہیں۔

(۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُوْا وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِّفَاقٍ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مر گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نہ کبھی جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کا خیال گذرا تو وہ اپنے ساتھ ایک نفاق کا شعبہ لے کر مرا۔

(۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْحَیَآءُ وَالْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْبَذَآءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ شرم و کم سخنی اور جھجک ایمان کے دو شعبے ہیں اور بد زبانی اور زبان آوری نفاق کے دو شعبے۔

(۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ذَا الْوَجْھَیْنِ الَّذِیْ یَاْتِیْ ھٰٓؤُلَآءِ بِوَجْہٍ وَّھٰٓؤُلَآءِ بِوَجْہٍ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سب سے بدتر شخص تم اس کو پاؤ گے جو دو رُخا ہو اِن کے پاس آئے تو اِن کی سی باتیں بنا دے اور اُن کے پاس جائے تو اُن کی سی باتیں بنا دے۔

(۶) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ کَانَ ذَا وَجْھَیْنِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ (دارمی)

ترجمہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

جو شخص دنیا میں دو رخی باتیں بنائے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔

(۷) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ كُلَّ مُنَافِقٍ يَتَكَلَّمُ بِالْحِكْمَةِ وَيَعْمَلُ بِالْجَوْرِ (شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس امت پر خطرہ ہے تو صرف اس منافق کا ہے جو بڑی حکمت کی باتیں بنائے مگر اس کے کارنامے سب ظلم کے ہوں۔

(۸) عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْحَيَآءَ وَالْعَفَافَ وَالْعِيَّ عِيُّ اللِّسَانِ لَا عِيُّ الْقَلْبِ وَالْفِقْهَ مِنَ الْاِيْمَانِ وَهُنَّ مِمَّا يَزِدْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَيَنْقُصْنَ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا يَزِدْنَ فِي الْاٰخِرَةِ اَكْثَرُ وَاَنَّ الْبَذَآءَ وَالْجَفَاءَ وَالشُّحَّ مِنَ النِّفَاقِ وَهُنَّ مِمَّا يَزِدْنَ فِي الدُّنْيَا وَيَنْقُصْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَا يَنْقُصْنَ فِي الْاٰخِرَةِ اَكْثَرُ (احمد)

ترجمہ: حضرت عون بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے بلاشبہ شرم، پاکبازی، کم سخنی اور سمجھ یہ سب ایمان کی باتیں ہیں اور کم سخنی سے مراد لسانی اور زبانی طمطراق کا ترک کردینا ہے قلبی نافہمی نہیں (یعنی وہ کم سخنی نہیں جو ناسمجھی کی وجہ سے پیدا ہو) اور یہ تمام

باتیں اخروی ترقیات کا موجب ہیں اور دنیوی نقصان کا اور ان کا اخروی نفع ان کے دنیوی نقصان سے زیادہ ہے۔ اسی طرح بدزبانی، درشت مزاجی اور بخل نفاق کی باتیں ہیں اور یہ چیزیں دنیوی ترقیات کا موجب ہیں اور اخروی نقصان کا اور ان کا اخروی نقصان ان کے دنیوی نفع سے زیادہ ہے۔

(۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيَاحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا أُخْرٰى حَتّٰى يَأْتِيَ أَجَلُهٗ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِيْ لَا يُصِيْبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ اِنْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرد مومن کی مثال گیہوں کی اس پتلی اور نازک شاخ کی سی ہے جس کو ہوائیں ادھر ادھر گراتی رہتی ہیں اس طرف ہوا چلی تو ادھر دے پٹخا اور اس طرف کی ہوا چلی تو پھر اس کو سیدھا کھڑا کر دیا اس کی روش یوں ہی رہا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے اور منافق آدمی کی مثال اس مضبوط اور جمے ہوئے چیڑ کے درخت کی سی ہے جس پر کوئی آفت نہیں آتی پھر جب اکھڑتا ہے تو ایک دم جڑ سے اکھڑ کر گر جاتا ہے۔

(۱۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيْرُ اِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَاِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو نر کی تلاش میں دو گلوں کے درمیان کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف ماری ماری پھرتی ہے۔

(۱۱) عَنۡ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوۡلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الۡاَسۡقَامَ فَقَالَ اِنَّ الۡمُؤۡمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مِنۡهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنۡ ذُنُوۡبِهٖ وَمَوۡعِظَةً لَهٗ فِيۡمَا يَسۡتَقۡبِلُ وَاِنَّ الۡمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ عُوۡفِىَ كَانَ كَالۡبَعِيۡرِ عَقَلَهٗ اَهۡلُهٗ ثُمَّ اَرۡسَلُوۡهُ فَلَمۡ يَدۡرِ لِمَ عَقَلُوۡهُ وَلِمَ اَرۡسَلُوۡهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوۡلَ اللهِ وَمَا الۡاَسۡقَامُ وَاللهِ مَا مَرِضۡتُ قَطُّ فَقَالَ قُمۡ عَنَّا فَلَسۡتَ مِنَّا (ابوداود)

ترجمہ: حضرت عامر رامؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیماریوں کے ثواب کا تذکرہ فرمایا اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ کامل مومن جب بیمار پڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو شفاء دے دیتا ہے تو اس کی بیماری اس کے گذشتہ گناہوں کے لئے تو کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ اس کے لئے نصیحت کا باعث بن جاتی ہے لیکن جب منافق بیمار پڑتا اور شفایاب ہوتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا جس کو اس کے مالک نے باندھا اور پھر کھول دیا مگر نہ وہ سمجھا کہ کیوں تو اس کو باندھا اور کیوں کھولا تھا۔ حاضرینِ مجلس میں ایک شخص بولا میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ بیماری ہے کیا چیز، خدا کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں پڑا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تو ہمارے پاس سے اٹھ جا

تو ہم میں سے نہیں۔

(۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ الْمُنْتَزِعَاتِ وَالْمُخْتَلِعَاتِ هُنَّ الْمُنَافِقَاتِ (نسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو عورتیں اپنے نفسوں کو اپنے شوہروں سے خلع کر کر کے علیحدہ کر لیتی ہیں یہ بھی منافق ہیں۔

(۱۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ وَعَمَلُ الْمُنَافِقِ خَیْرٌ مِّنْ نِیَّتِهٖ وَكُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی نِیَّتِهٖ فَاِذَا عَمِلَ الْمُؤْمِنُ عَمَلًا ثَارَ فِیْ قَلْبِهٖ نُوْرٌ (حلیہ)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر رہتی ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے زیادہ خوشنما نظر آتا ہے اور ہر شخص کا عمل اس کی نیت کے تابع رہتا ہے۔ جب مومن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے قلب میں ایک نور چمک اٹھتا ہے۔ (منافق کی نیت چونکہ اچھی نہیں ہوتی اس لئے اس کا عمل بے نور رہتا ہے)۔ (از ترجمان السنہ۔جلد دوم)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفاق کے اعمال، علامات اور صفات سے بچائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۴) نفاق سے ڈرتے رہنا

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ○ (البقرہ ۔۸)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر حالانکہ وہ ہرگز ایمان والے نہیں ہیں۔

(۱) عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ قَالَ اَدْرَکْتُ ثَلَاثِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم کُلُّھُمْ یَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰی نَفْسِہٖ مَا مِنْھُمْ اَحَدٌ یَقُوْلُ اِنَّہٗ عَلٰی اِیْمَانِ جَبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ (بخاری)

ترجمہ: ابنِ ابوملیکہ فرماتے ہیں کہ تیس صحابہؓ سے میری ملاقات ہوئی سب کو اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ ہمارا ایمان جبرئیل ومیکائیل کے ایمان کی طرح خطرۂ ایمان سے مامون ہے۔

(۲) عَنِ الْحَسَنِ یُذْکَرُ مَا مَضٰی وَلَا یَبْقٰی مُؤْمِنٌ قُطُّ اِلَّا ھُوَ مِنَ

النِّفَاقِ غَيْرَ اٰمِنٍ وَمَا مَضٰى مُنَافِقٌ قَطُّ وَلَا يَبْقٰى اِلَّا هُوَ مِنَ النِّفَاقِ اٰمِنٌ (جامع العلوم)

ترجمہ: حضرت حسنؓ نے قسم کھا کر فرمایا کہ کوئی مومن جو پہلے گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جس کے دل میں اپنے نفس کے متعلق نفاق کا خطرہ نہ گذرتا ہو اور کوئی منافق جو گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جو نفاق سے بے خطر نہ ہو۔

ایک شخص نے دیکھا کہ ابوالدرداءؓ نماز سے فارغ ہو کر نفاق سے پناہ کی دعا مانگ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا بھلا آپ کو نفاق کا کیا خطرہ ہے؟ انہوں نے بقسم فرمایا کہ آدمی اچھا خاصا مومن ہوتا ہے پھر کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آن کی آن میں اس کا دل پلٹ جاتا ہے اور وہ نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (جامع العلوم)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے تعلق سے یہ بات ارشاد فرمائی:

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ○ (۶۰،۶۱)

ترجمہ: اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور اس پر بھی ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دوڑ دوڑ کر بھلائیاں حاصل کر رہے ہیں اور یہی ان بھلائیوں کی طرف بڑھ جانے والے ہیں۔

اسی لئے صحابہ کرامؓ کے بہت سارے واقعات اس بات کی شہادت دیتے

ہیں کہ وہ نفاق سے بہت ڈرتے تھے۔ سب نیک اعمال کرنے کے باوجود بھی ڈرتے رہنا ہی ایمان کی نشانی ہے۔ یہ ان کے ایمان کے حساس ہونے کی علامت ہے۔

(۳) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَمَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً سَاعَةً سَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (مسلم)

ترجمہ: حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا حنظلہ! کہو کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا

(حال کیا ہے) میں تو نفاق کی علت میں گرفتار نظر آ رہا ہوں۔ ابو بکرؓ نے تعجب سے فرمایا سبحان اللہ! یہ کیا بات کہہ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا (درست کہہ رہا ہوں کیونکہ) جب ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے سامنے جنت ودوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے علیحدہ ہوکر باہر آتے ہیں تو پھر وہی بیبیوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہوجاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تذکیر کا بڑا حصہ فراموش ہوجاتا ہے (اندرون وبیرون کا فرق یہی نفاق ہے) اس پر ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بات ہمیں بھی پیش آتی ہے۔ اس کے بعد میں اور ابو بکرؓ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حنظلہ منافق ہوگیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعجب سے پوچھا کیا بات پیش آئی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت ودوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب آپ کے پاس سے باہر آجاتے ہیں تو پھر وہی بیبیوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہوجاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ بھول جاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ قائم رہو جو میری محفل میں ہوتی ہے تو فرشتے

تمہارے بچھونوں پر اور راستوں میں کھلم کھلا تم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہ گاہِ چنیں گاہِ چناں (یہ کیفیت کبھی کبھی مطلوب ہے نہ کہ ہمیشہ)۔تین بار فرمایا۔

(۴) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ غَدَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقَ النِّفَاقَ قَالَ اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوْا الثَّانِيَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقَ النِّفَاقَ قَالَ اَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوْا الثَّالِثَةَ يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقَ قَالُوْا اِمَا اِذَا كُنَّا عِنْدَكَ كُنَّا عَلٰى حَالٍ وَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ هَمَّتْنَا الدُّنْيَا وَاَهْلُوْنَا قَالَ لَوْ اَنَّكُمْ اِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِيْ تَكُوْنُوْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ بِطُرُقِ الْمَدِيْنَةِ (ابویعلیٰ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ آپ کی خدمت میں صبح کے وقت حاضر ہوئے اور کہا ربِ کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہوگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی

نفاق نظر آتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا تم کلمۂ توحید ورسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے؟ عرض کیا کیوں نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔راوی کہتا ہے کہ انہوں نے دوبارہ عرض کیا یارسول اللہ! ربِ کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہوگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق نظر آتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا تم کلمۂ توحید ورسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے؟ عرض کیا کیوں نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔راوی کہتا ہے کہ تیسری بار انہوں نے پھر یہی کہا یارسول اللہ! ربِ کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہوگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ (اس مرتبہ انہوں نے زیادہ تفصیل سے) کہا کہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہی ہوتی ہے اور آپ کے پاس سے باہر چلے آتے ہیں تو پھر دنیا اور گھر بار کی فکر ہمیں گھیر لیتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہتے جو میری صحبت میں ہوتی ہے تو مدینہ کی گلیوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگتے۔

(۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ فَلَمَّا بَلَغَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ كَادَ قَلْبِيْ اَنْ يَطِيْرَ (بخاری)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں نبی کریمؐ کو سورۂ والطور پڑھتے سنا جب آپ ان آیات پر پہنچے اَمْ خُلِقُوْا..... هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ (کیا یہ لوگ ازخود پیدا ہوگئے ہیں یا یہ خود خالق ہیں کیا آسمان اور زمین کو انہی لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں۔کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ داروغہ بنائے گئے ہیں) تو مجھ کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اب اڑا، اب اڑا۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو اپنے نفس کے متعلق ہمیشہ نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ حضرت حذیفہؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سِرُّ النبی (رازدار صحابی) تھے۔ جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منافقین کے نام بتائے تھے، حضرت عمرؓ ان سے جا جا کر پوچھتے تھے کہ کہیں میرا نام ان لوگوں میں نہیں ہے۔ حضرت حذیفہؓ جن لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھتے تھے حضرت عمرؓ بھی پڑھتے تھے اور حضرت حذیفہؓ جن کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے حضرت عمرؓ بھی ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے قول وعمل کو ملاتا تو ہمیشہ مجھ کو یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں میں جھوٹا نہ قرار پاؤں۔ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ جس شخص کو اپنے متعلق نفاق کا خطرہ بھی نہ گذرتا ہو اس شخص کے بارے میں آپ کا ارشاد کیا ہے؟ انہوں نے تعجب سے فرمایا ایسا کون مومن ہوسکتا ہے جس کو اپنے متعلق یہ خطرہ بھی نہ آتا ہو۔ (جامع العلوم)

ایک جائزہ:

صحابہ کرامؓ جب اپنی احسانی کیفیتوں میں تھوڑی سی کمی محسوس کرتے تو بے چین ہوجاتے کہ کہیں ان پر نفاق کا حملہ تو نہیں ہوا۔اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہمارے اعمال، ہمارے معاملات، ہمارے افکار بلکہ ہمارے عقائد تک میں ایمان کے خلاف بے شمار چیزیں پائی جاتی ہیں اور ہم ہیں کہ احساس ہی نہیں کرتے۔اور یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہمارا ایمان نفاق سے بالکل محفوظ ہے۔یہی ہمارے لئے خطرہ کی گھنٹی ہے۔اسی کا لحاظ کرتے ہوئے نفاق اور منافقین کا موضوع بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچا اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے، نفاق کے تمام شعبوں سے بچا کر ایمان کے ساتھ ہمارا خاتمہ کرے۔آمین یارب العالمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۵) ایمان کی کسوٹی

اَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا
فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا○ (النساء۔۶۵)
صَدَقَ اللہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ
الشّٰهِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: سوقسم ہے آپ کے رب کی طاغوت کوحکم بنانے والے اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک یہ اپنے تمام باہمی جھگڑوں میں آپ ہی کو منصف نہ بنائیں پھر جوفیصلہ آپ کردیں اس پر اپنے دلوں میں کوئی گرانی نہ محسوس کریں اور پوری طرح آپ کے فیصلہ کوتسلیم کریں۔

(۱) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَیْرَ فِیْ شَرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ یُسْقٰی بِهَا النَّخْلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اِسْقِ یَازُبَیْرُ فَاَمَرَهٗ بِالْمَعْرُوْفِ ثُمَّ اَرْسِلْ اِلٰی جَارِكَ قَالَ الْاَنْصَارِیُّ اَنْ کَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ ثُمَّ قَالَ اِسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمَآءُ اِلَی الْجُدْرِ وَاسْتَوْعٰی لَهٗ حَقَّهٗ

فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللّٰهِ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اُنْزِلَتْ فِيْ ذٰلِكَ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (بخاری)

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے ایک سنگستان کی نالی کے بارے میں زبیر کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ اس نالی سے کھجوروں کے باغ کی آبپاشی کی جاتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیر پہلے تم آبپاشی کرلو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو، اس فیصلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کی بھلائی مدنظر رکھی تھی۔ اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیرؓ آپ کے پھوپھی زاد بھائی لگتے ہیں اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زبیر! تو اب تم اپنے باغ کو پانی دو اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو۔ اس فیصلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیرؓ کا پورا پورا حق دلوایا (چونکہ زبیرؓ کا باغ اونچائی پر تھا اور انصاری کا باغ پستی میں تھا، اور پچھلے فیصلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں جانبوں کی رعایت فرمائی تھی) زبیرؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی فَلَا وَرَبِّكَ ۔۔۔۔

(۲) عَنْ ضَمْرَةَ اَنَّ رَجُلَيْنِ اِخْتَصَمَا اِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَضٰى لِلْمُحِقِّ عَلَى الْمُبْطِلِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَا اَرْضٰى فَقَالَ صَاحِبُهٗ فَمَا تُرِيْدُ قَالَ اَنْ نَذْهَبَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ فَذَهَبَا اِلَيْهِ فَقَالَ الَّذِيْ قَضٰى لَهٗ

قَدِ اخْتَصَمْنَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَضٰى لِي فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنْتُمَا عَلٰى مَا قَضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَبٰى صَاحِبُهٗ اَنْ يَّرْضٰى فَقَالَ نَاْتِيْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ لَهٗ قَدِ اخْتَصَمْنَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَضٰى لِي عَلَيْهِ فَاَبٰى اَنْ يَّرْضٰى فَسَاَلَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ كَذٰلِكَ فَدَخَلَ عُمَرُ مَنْزِلَهٗ وَخَرَجَ وَالسَّيْفُ فِيْ يَدِهٖ قَدْ سَلَّهٗ فَضَرَبَ بِهٖ رَاْسَ الَّذِيْ اَبٰى اَنْ يَّرْضٰى فَقَتَلَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ..... (تفسیر ابنِ کثیر)

ترجمہ: ضمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لے آکر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو سچا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا۔ اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیقؓ کے پاس چلیں، دونوں روانہ ہو گئے اور جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے روئدادِ مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ نے کہا کہ تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرما چکے ہیں اس کے بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں۔ جس شخص کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا کہ ہم اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ صادر کردیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا، کیا واقعہ اسی طرح ہے؟ اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا اس کا سر اڑا دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ** -----

دو شخصوں میں ایک یہودی تھا جو حق پر تھا اور دوسرا بظاہر مسلمان یعنی منافق تھا، جو ناحق پر تھا۔ یہودی چاہ رہا تھا کہ فیصلہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرائے اور دوسرا یہ چاہ رہا تھا کہ فیصلہ یہود کے عالم کعب بن اشرف (جس کو آیتِ مذکورہ میں طاغوت کہا گیا ہے) سے کرائے کیونکہ وہ رشوت لے کر غلط فیصلے کرتا تھا۔ مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی قسم کھا کر بیان فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مومن یا مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو ٹھنڈے دل سے پوری طرح تسلیم نہ کرے کہ اس کے دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائی جائے۔

(۲) اختلافات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم بنانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک کے ساتھ

مخصوص نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بحیثیتِ رسول خود امت کے حاکم، حکم اور ہر پیش آنے والے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعتِ مطہرہ کا فیصلہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیصلہ ہے اس لئے یہ حکم قیامت تک اسی طرح جاری ہے۔

(۳) وہ شخص مسلمان نہیں جو اپنے ہر جھگڑے اور مقدمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلہ پر مطمئن نہ ہو۔

(۴) اس آیت سے یہ نکلا کہ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ صرف معاملات اور حقوق کے متعلق ہی نہیں بلکہ عقائد، نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے۔

(۵) یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قولاً یا عملاً ثابت ہو اس کے کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا بھی ضعفِ ایمان کی علامت ہے۔مثلاً جہاں شریعت نے تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی وہاں تیمم کرنے پر جس شخص کا دل راضی نہ ہو وہ اس کو تقویٰ نہ سمجھے بلکہ اپنے دل کا روگ سمجھے۔شرعی رخصتوں سے تنگ دلی محسوس کرنا کوئی تقویٰ نہیں، اس لئے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللہَ تَعَالٰی یُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰی رُخَصُهٗ کَمَا یُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰی عَزَائِمُهٗ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمتوں پر عمل کرنے سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی پسند فرماتے ہیں۔

(۶) آیت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صرف ایک مصلح اور اخلاقی رہبر ہی نہیں تھے بلکہ ایک عادل حاکم بھی تھے۔ پھر حاکم بھی اس شان کے کہ آپؐ کے فیصلہ کو ایمان اور کفر کا معیار قرار دیا گیا۔ (معارف القرآن۔جلد دوم)

(۲) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (الاحزاب۔۳۶)

ترجمہ: اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو یہ لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دے تو پھر ان مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اپنے کام کا کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کرے تو یقیناً وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوا۔

حضرت زینبؓ امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کردیں۔ یہ زید اصل سے شریف عرب تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑلیا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ حضرت خدیجہؓ نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہبہ کردیا۔ جب یہ ہشیار ہوئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب سے گذرے۔ وہاں ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے والد، چچا اور بھائی حضرت کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ

لے کر ہمارے حوالے کر دیں۔فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں، اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے خوشی سے لے جاؤ۔ انہوں نے حضرت زیدؓ سے دریافت کیا۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔آپ مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت نے ان کو آزاد کر دیا اور متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا۔ چنانچہ لوگ اس زمانہ کے رواج کے مطابق ''زید بن محمدؐ'' کہہ کر پکارنے لگے۔تا آنکہ آیت ''اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔۔۔۔'' (منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے پکارو، اللہ کے نزدیک یہی پورے انصاف والی بات ہے) نازل ہوئی۔ اس وقت ''زید بن محمدؐ'' کی جگہ پھر ''زید بن حارثہؓ'' رہ گئے۔ چونکہ قرآن کے حکم کے موافق ان کے نام سے اس نسبتِ عظیمہ کا شرف جدا کر لیا گیا تھا۔شاید اس کی تلافی کے لئے تمام صحابہ کے مجمع میں صرف ان کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ ان کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ ''فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا'' (جب زید اس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکا) بہرحال حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید بن حارثہ بظاہر داغِ غلامی اٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے ان کی نیز ان کے بھائی (عبداللہ بن جحش) کی مرضی زید سے نکاح کرنے کی نہ تھی لیکن اللہ ورسول کو منظور تھا کہ اس طرح کی موہوم تفریقات وامتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔اس لئے آپ نے زینب اور ان کے بھائی پر زور

دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کرلیں۔اسی وقت یہ آیت اتری اوران لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ ورسول کی مرضی پر قربان کردیا اور زینب کا نکاح زید بن حارثہ سے ہوگیا۔

(تفسیرِ عثمانی)

ایک لطیفہ:

پورے قرآن میں انبیاءؑ کے سوا کسی بڑے سے بڑے صحابی کا بھی نام ذکر نہیں کیا گیا، بجز حضرت زید بن حارثہؓ کے اس کی حکمت بعض حضرات نے یہی بیان کی ہے کہ ان کی نسبتِ ولدیت کو بحکمِ قرآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قطع کیا گیا تو ان کے لئے ایک بہت بڑے اعزاز سے محرومی ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اس کا بدل اس طرح کردیا کہ قرآن میں ان کا نام لے کر ذکر فرمادیا۔اور لفظ زَیدْ قرآن کا ایک لفظ ہونے کی حیثیت سے اس کے ہر حرف پر حسبِ وعدۂ حدیث دس نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں ان کا نام جب قرآن میں پڑھا جاتا ہے تو صرف ان کا نام لینے پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

اس نکاح کا مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی طرف سے ادا کیا۔جو دس دینار سرخ (جو تقریباً چار تولہ سونا ہوتا ہے) اور ساٹھ درہم (جس کی تقریباً اٹھارہ تولہ چاندی ہوتی ہے) اور ایک بار برداری کا جانور اور پورا زنانہ جوڑا اور پچاس مد آٹا، (یعنی تقریباً پچیس سیر) اور دس مد (پانچ سیر) کھجور تھا۔اس آیت کے نزول کا مشہور

واقعہ جمہور مفسرین کے نزدیک یہی حضرت زیدؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ کے نکاح کا قصہ ہے۔ (معارف القرآن ۔جلد ہفتم)

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۵ اور سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ دونوں ایمان والے مردوں اور عورتوں کے لئے ایمان کی کسوٹی فراہم کرتی ہیں ۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے حکم کو چھوڑ کر اپنی مرضی اور خواہش چلانے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔اپنی مرضی اور اختیار چلانا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شریعت کی نافرمانی ہے جو کفر کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۶) مثالی ایمان والے صحابہ کرامؓ ہیں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ
السُّفَھَآءُ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ○ (البقرہ۔۱۳)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ
الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایمان لے آؤ جیسا اور سب لوگ ایمان لائے ہیں تو یہ کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں۔ یادرکھو بیشک یہی لوگ بیوقوف ہیں لیکن وہ جانتے نہیں۔

اس آیت میں صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا کہ ''اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ'' یعنی ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے اورلوگ۔ اس میں لفظ ناس سے مراد باتفاق مفسرین صحابہ کرامؓ ہیں، کیونکہ وہی حضرات ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت ایمان لائے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ کے ایمان کی طرح ہو، جن چیزوں جس کیفیت کے ساتھ ان کا ایمان ہے، اسی طرح

کا ایمان دوسروں کا ہوگا تو ایمان کہا جائے گا، ورنہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا ایمان ایک کسوٹی ہے، جس پر باقی ساری امت کے ایمان کو پرکھا جائے گا۔ جو اس کسوٹی پر صحیح نہ ہو، اس کو شرعاً ایمان اور ایسا کرنے والے کو مومن نہ کہا جائے گا۔ اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل خواہ ظاہر میں کتنا ہی اچھا نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کے نزدیک ایمان معتبر نہیں۔ ان لوگوں نے صحابہ کرامؓ کو سفہاء یعنی بیوقوف کہا، اور یہی ہر زمانے کے گمراہوں کا طریقہ رہا ہے کہ جو ان کو صحیح راہ بتلائے اس کو بیوقوف جاہل قرار دیتے ہیں، مگر قرآن کریم نے بتلادیا کہ درحقیقت وہ خود ہی بیوقوف ہیں کہ ایسی کھلی نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے۔

کفر وایمان کا ضابطہ:

قرآن کی اصطلاح میں ایمان وہ ہے جس کا ذکر اوپر سورۂ بقرہ کی تیرہویں آیت میں آچکا ہے **وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ**، جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ صحیح یا غلط کے جانچنے کا معیار صحابہ کرامؓ کا ایمان ہے۔ جو اس کے مطابق نہیں وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک ایمان نہیں۔

اگر کوئی شخص قرآنی عقیدہ کا مفہوم قرآنی تصریح یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریح کے خلاف قرار دے کر یہ کہے کہ میں تو اس عقیدہ کو مانتا ہوں تو یہ ماننا شرعاً معتبر نہیں، جیسا کہ آج کل قادیانی گروہ کہتا ہے کہ ہم بھی عقیدۂ ختمِ نبوت کو مانتے ہیں مگر اس عقیدہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصریحات اور صحابہ کرامؓ کے ایمان سے

بالکل مختلف تحریف کرتے ہیں۔مرزا غلام احمد کی نبوت کے لئے جگہ نکالتے ہیں۔
قرآنِ کریم کی اس تصریح کے مطابق وہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان کو وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (اور وہ ہرگز ایمان والے نہیں ہیں) کہا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمانِ صحابہؓ کے خلاف کوئی شخص کسی عقیدہ کا نیا مفہوم بنائے اور اس عقیدہ کا پابند ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو مومن مسلمان بتلائے اور مسلمانوں کے نماز، روزہ میں شریک بھی ہو، مگر جب تک وہ قرآن کے اس بتلائے ہوئے معیار کے مطابق ایمان نہیں لائے گا، اس وقت تک وہ قرآن کی اصطلاح میں مومن نہیں کہلائے گا۔

ایک شبہ کا ازالہ:

حدیث وفقہ کا یہ مشہور مقولہ کہ ''اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا''۔اس کا مطلب بھی آیتِ مذکورہ کے تحت میں یہ متعین ہوگیا کہ اہلِ قبلہ سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں، ورنہ یہ منافقین بھی تو قبلہ کی طرف سب مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں، مگر یہ صرف رو بقبلہ نماز پڑھنا ان کے ایمان کے لئے اس بناء پر کافی نہ ہوا کہ ان کا ایمان صحابہ کرامؓ کی طرح تمام ضروریاتِ دین پر نہیں تھا۔

(۲) وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا

وَمَآ اُنۡزِلَ اِلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰی وَعِیۡسٰی وَمَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ۫ۖ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ○ فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ فَقَدِ اہۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا ہُمۡ فِیۡ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَکۡفِیۡکَہُمُ اللّٰہُ ۚ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ○ صِبۡغَۃَ اللّٰہِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبۡغَۃً ۫ وَّنَحۡنُ لَہٗ عٰبِدُوۡنَ ○ قُلۡ اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِی اللّٰہِ وَہُوَ رَبُّنَا وَرَبُّکُمۡ ۚ وَلَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ۚ وَنَحۡنُ لَہٗ مُخۡلِصُوۡنَ ○ (البقرہ۔۱۳۵-۱۳۹)

ترجمہ: اور یہ اہلِ کتاب مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تا کہ تم صحیح راہ پاؤ اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے تو حضرت ابراہیم کی ملت اختیار کر رکھی ہے وہ ابراہیم جو سب سے کٹ کر صرف خدا کے ہو گئے تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔ تم کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اس پر اور اس پر جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی جانب بھیجا گیا اور اس پر بھی جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور دوسرے انبیاء کو ان کے رب کی جانب سے عطا کیا گیا ہم ایمان لاتے ہیں۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کو جدا نہیں کرتے یعنی سب کو رسول مانتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ پس اگر وہ اہلِ کتاب بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم

ایمان لائے ہو تو بیشک وہ بھی ہدایت یافتہ ہوں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو سمجھ لو کہ وہی ہیں برسرِ پیکار سو عنقریب آپ کی طرف سے اللہ تعالیٰ ان سے نمٹ لے گا اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ ہم پر رنگ چڑھا دیا ہے اللہ نے اور رنگ چڑھانے میں اللہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے اور ہم صرف اسی کے عبادت گزار ہیں۔ اے پیغمبر ان سے کہو کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں کج بحثی کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے اور ہم تو خالص اسی کے اطاعت گزار ہیں۔

ایمان کی مختصر اور جامع تفسیر:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ (پس اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو بیشک وہ بھی ہدایت یافتہ ہوں گے)، شروع سورۂ بقرہ سے یہاں تک ایمان کی حقیقت کہیں مجمل کہیں مفصل بیان کی گئی ہے، اس آیت میں ایک ایسا اجمال ہے جو تمام تفصیلات اور تشریحات پر حاوی ہے، کیونکہ اٰمَنْتُمْ (جس طرح تم ایمان لائے ہو) کے مخاطب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ہیں۔ اس آیت میں ان کے ایمان کو ایک مثالی نمونہ قرار دے کر حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و معتبر صرف اس طرح کا ایمان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ نے اختیار فرمایا، جو اعتقاد اس سے سرِ مو مختلف ہو، اللہ کے نزدیک مقبول نہیں۔

اس توضیح سے ان تمام باطل فرقوں کے ایمان کا خلل واضح ہوگیا جو ایمان کے دعویدار تو ہیں مگر حقیقتِ ایمان سے بے بہرہ ہیں، کیونکہ زبانی دعویٰ ایمان کا تو بت پرست مشرکین بھی کرتے ہیں، اور یہود ونصاریٰ بھی اور ہر زمانہ میں زندیق وملحد بھی، مگر چونکہ ان کا ایمان اللہ پر اور رسولوں پر اور فرشتوں پر اور یومِ قیامت پر وغیرہ اس طرح کا نہیں تھا، جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے، اس لئے وہ اللہ کے نزدیک مردود ونامقبول ہوا۔

فرشتہ اور رسول کی عظمت ومحبت میں اعتدال مطلوب ہے، غلو گمراہی ہے:

مشرکین میں سے بعض نے تو فرشتوں کے وجود ہی کا انکار کیا، بعض نے ان کو خدا کی بیٹیاں بنا دیا، دونوں کی تردید بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ (جس طرح تم ایمان لائے ہو) سے ہوگئی، یہود ونصاریٰ کے بعض گروہوں نے اپنے پیغمبروں کی مخالفت اور نافرمانی کی، یہاں تک کہ بعض کو قتل بھی کر دیا، اور بعض گروہوں نے ان کی عزت وعظمت کو اتنا بڑھایا کہ خدا، یا خدا کا بیٹا یا خدا کا مثل بنا دیا، یہ دونوں قسم کی افراط وتفریط ضلالت وگمراہی قرار دی گئی۔

شریعتِ اسلام میں رسول کی عظمت ومحبت فرض ہے، اس کے بغیر ایمان ہی نہیں ہوتا مگر رسول کو کسی صفت علم یا قدرت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے برابر کر دینا گمراہی اور شرک ہے۔ قرآن کریم نے شرک کی حقیقت یہی بیان فرمائی ہے کہ غیر اللہ کو کسی صفت میں اللہ کے برابر کریں، اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(جبکہ ہم تمہیں اللہ رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے)(الشعراء۔۹۸) کا یہی مفہوم ہے۔آج بھی جولوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالم الغیب اور خدا تعالیٰ کی طرح ہرجگہ موجود وحاضر وناظر کہتے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کی عظمت ومحبت کا حق ادا کررہے ہیں، حالانکہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کی اور عمر بھر کی کوششوں کی صریح مخالفت کررہے ہیں ۔اس آیت میں ان کے لئے بھی سبق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت ومحبت اللہ کے نزدیک ایسی ہی مطلوب ہے جیسی صحابہ کرامؓ کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تھی ،اس سے کمی بھی جرم ہے اوراس میں زیادتی بھی غلواور گمراہی ہے۔

نبی ورسول کی اختراعی قسمیں،ظلی ، بروزی،لغوی،سب گمراہی ہے:

اسی طرح جن فرقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ختمِ نبوت کا انکارکرکے نئے نبی کے لئے دروازہ کھولنا چاہا، اور انہوں نے رسول ونبی کی بہت سی قسمیں اپنی طرف سے اختراع کیں،جن کا نام نبیٔ ظلی ، نبیٔ بروزی وغیرہ رکھ دیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اورصحابہ کرامؓ کےایمان بالرسل میں کسی ظلی وبروزی کا کہیں نام ونشان نہیں، یہ کھلا ہوا زندقہ اورالحاد ہے۔

ایمان بالآخرۃ کی تاویلاتِ باطلہ مردود ہیں:

اسی طرح وہ لوگ جن کے قلب ودماغ صرف مادے اور مادیات میں کھوئے ہوئے ہیں عالمِ غیب اور عالمِ آخرت کی چیزیں جب مستبعد نظر آتے ہیں تو

طرح طرح کی تاویلات میں پڑ جاتے ہیں، چونکہ وہ تاویلات بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ (جس طرح تم ایمان لائے ہو) کے خلاف ہیں اس لئے سب مردود ہیں۔ آخرت کے تمام حالات وواقعات جس طرح قرآن وسنت میں وارد ہوئے ہیں ان پر بغیر کسی جھجک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے، حشرِ اجساد کے بجائے حشرِ روحانی اور عذاب وثواب روحانی اسی طرح وزنِ اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود، باطل اور گمراہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے لی ہے:

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ (اللہ آپ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں کافی ہے) میں واضح فرمادیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مخالفوں کی زیادہ فکر نہ فرماویں، ہم خود ان سے نمٹ لیں گے۔

دین وایمان ایک گہرا رنگ ہے، جو انسان کے چہرہ بشرہ سے نظر آنا چاہیئے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ (اللہ کا رنگ اختیار کرو) اس سے پہلی آیت میں دینِ اسلام کو حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کیا گیا تھا، مِلَّةَ اِبْرٰهِمَ حَنِيْفًا (ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلو) اس جگہ اس کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے بتلادیا کہ دین درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہے، کسی پیغمبر کی طرف اس کی نسبت مجازی کردی جاتی ہے۔ نصاریٰ نے ایک زرد رنگ بنا رکھا تھا اور دستور یہ تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا یا کوئی ان کے دین میں آتا تو اس کو اس رنگ میں غوطہ دے کر کہتے خاصہ پاکیزہ

نصرانی ہوگیا۔اس آیت نے بتادیا کہ پانی کا رنگ تو ڈھل کر ختم ہوجاتا ہے اس کے بعد اس کا اثر نہیں رہتا۔ختنہ نہ کرنے سے جو گندگی اور ناپاکی جسم میں رہتی ہے اس سے یہ رنگ نجات نہیں دیتا، اصل رنگ دین وایمان کا رنگ ہے جو ظاہری اور باطنی پاکی کی ضمانت بھی ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

دوسرے دین وایمان کو رنگ فرما کر اس کی طرف اشارہ ہوگیا کہ جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے مومن کے ایمان کی علامات اس کے چہرہ بشرہ اور تمام حرکات وسکنات، معاملات وعادات میں ظاہر ہونا چاہئیں۔واللہ اعلم۔

(معارف القرآن۔جلد اول)

(۳) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو ایمان کی محبت عطا فرمائی تھی اور ان کے دلوں کو ایمان سے منور کردیا تھا:

وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَ كَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ○ فَضۡلًا مِّنَ اللهِ وَنِعۡمَةً وَاللهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ○ (الحجرات۔۷،۸)

ترجمہ: لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنادیا اور ایمان کو تمہارے دلوں میں خوشنما اور مستحسن کردیا اور کفر اور فسق سے اور نافرمانی سے تم کو نفرت دیدی یہی لوگ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں۔یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے انعام کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا ایمان مثالی تھا اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا کردی تھی اور ان کے دلوں کو ایمان سے منور کردیا تھا۔ اس کے برخلاف کفر، گناہ اور نافرمانی سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا فرمائی تھی۔ یہی لوگ راہِ راست پر چلنے والے تھے، اگر راہِ راست مطلوب ہے تو صحابہ کرامؓ کے عقائد اور اعمال کو اپنانا پڑے گا۔ تھوڑا سا انحراف بھی گمراہی کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرامؓ جیسا ایمان عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۷) ایمان دراصل اپنی جان و مال کو جنت کے عوض اللہ کو بیچنے کا معاہدہ ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (التوبہ۔۱۱۱، ۱۱۲)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ جنت ان مسلمانوں کے لئے ہے۔ وہ مسلمان اللہ کی راہ میں جنگ کیا کرتے ہیں سو کبھی دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور کبھی خود شہید کردیئے جاتے ہیں

اس امر پر توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں سچا وعدہ کیا جاچکا ہے اور خدا سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کون ہوسکتا ہے، سوائے مسلمانو! اس سودے پر جو تم نے خدا سے کیا ہے اظہارِ مسرت کرو اور یہ معاملہ ہی بڑی کامیابی ہے۔ ان مسلمانوں سے بھی وعدہ ہے جو توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے شکر بجالانے والے روزے رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے اچھی باتوں کی تعلیم دینے والے اور برے کام سے منع کرنے والے اور اللہ کی مقررہ حدود کی نگہداشت کرنے والے ہیں اور آپ ایسے مسلمانوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔

آیات کا شانِ نزول:

اکثر مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیات بیعتِ عقبہ کے شرکاء کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو ہجرت سے پہلے مکۂ مکرمہ میں انصارِ مدینہ سے لی گئی تھی۔ اس لئے پوری سورت مدنی ہونے کے باوجود ان آیات کو مکی کہا گیا ہے۔ عقبہ پہاڑ کے حصہ کو کہا جاتا ہے۔ اس جگہ وہ عقبہ مراد ہے جو منیٰ میں جمرۂ عقبہ کے ساتھ پہاڑ کا حصہ ہے۔ مدینہ طیبہ کے حضرات سے تین مرتبہ بیعت لی گئی۔ پہلے بعثتِ نبوی کے گیارہویں سال میں ہوئی اس میں چھ حضرات بیعت کرکے مسلمان ہوکر مدینہ چلے گئے اور مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچہ ہونے لگا۔ اگلے سال موسمِ حج میں بارہ حضرات اسی جگہ جمع ہوئے جن میں پانچ پہلے کے اور سات نئے تھے۔ مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس سے زیادہ ہوگئی تو انہوں نے درخواست کی کہ ہمیں

قرآن پڑھانے کے لئے کسی کو بھیج دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو بھیج دیا۔ انہوں نے قرآن بھی پڑھایا اور اسلام کی تبلیغ بھی کی جس کے نتیجہ میں مدینہ کی بڑی جماعتیں اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئیں۔

اس کے بعد بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تیرہویں سال میں ستر مرد، دوعورتیں اسی جگہ جمع ہوئے، یہ تیسری بیعتِ عقبہ ہے جو آخری ہے، اور عموماً بیعتِ عقبہ سے یہی بیعت مراد ہوتی ہے، یہ بیعت اسلام کے اصولی عقائد واعمال کے ساتھ خصوصی طور پر کفار سے جہاد اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت وحمایت پر لی گئی۔ اس میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس وقت معاہدہ ہورہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو شرائط اپنے رب کے متعلق یا اپنے متعلق کرنا چاہیں وہ واضح کردی جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے تو یہ شرط رکھتا ہوں کہ آپ سب اس کی عبادت کریں گے۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اور اپنے لئے یہ شرط رکھتا ہوں کہ میری حفاظت اس طرح کریں گے جیسے اپنی جانوں اور اپنے اموال واولاد کی حفاظت کرتے ہو، ان لوگوں نے دریافت کیا کہ اگر ہم یہ دونوں شرطیں پوری کردیں تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جنت ملے گی، ان سب حضرات نے خوش ہوکر کہا کہ ہم اس سودے پر راضی ہیں، اور ایسے راضی ہیں کہ اب اس کو نہ خود فسخ کرنے کی درخواست کریں گے، نہ اس کے فسخ

کرنے کو پسند کریں گے۔

اس جگہ چونکہ اس بیعت میں ظاہراً صورت۔۔۔ ایک لین دین کے معاملے کی بن گئی تو اس پر یہ آیت بہ لفظ بیع وشراء نازل ہوئی، اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَاَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ (بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اوران کے مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ جنت ان مسلمانوں کے لئے ہے)، یہ آیت سن کر سب سے پہلے حضرت براء بن معرورؓ اور ابوالہیثمؓ اور اسعدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، کہ ہم اس معاملہ پر تیار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت اپنی عورتوں بچوں کی طرح کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابلہ پر اگر دنیا کے کالے اور گورے سب جمع ہوجائیں تو ہم سب کا مقابلہ کریں گے۔

جہاد کی سب سے پہلی آیت:

یہ سب سے پہلی آیت ہے جو مکہ مکرمہ میں قتال کے متعلق نازل ہوئی اور اس کا عمل ہجرت کے بعد شروع ہوا۔ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَیُقۡتَلُوۡنَ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ (وہ مسلمان اللہ کی راہ میں جنگ کیا کرتے ہیں سوکبھی دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور کبھی خود شہید کردیئے جاتے ہیں اس امر پر توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں سچا وعدہ کیا جاچکا ہے)، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد وقتال کا حکم تمام پچھلی امتوں

کے لئے بھی سب کتابوں میں نازل کیا گیا، اور یہ جو مشہور ہے کہ انجیل میں جہاد کا حکم نہیں، ممکن ہے کہ بعد کے لوگوں نے جو تحریفات اس میں کی ہیں اس میں احکامِ جہاد کو خارج کر دیا گیا ہو، واللہ اعلم۔

فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَيۡعِكُمُ (پس اس سودے پر جو تم نے خدا سے کیا ہے خوشی مناؤ)، اس واقعہ بیعتِ عقبہ میں جو معاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوا اس کی ظاہری صورت بیع شراء کی بن گئی، اس لئے شروع آیت سے شراء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا تھا۔ اس جملہ میں مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ معاملۂ بیع تمہارے لئے نفع کا سودا اور مبارک ہے کیونکہ ایک فانی چیز جان و مال دے کر ہمیشہ باقی رہنے والی چیز بدلے میں مل گئی اور غور کیا جائے تو خرچ صرف مال ہوا، جان تو یعنی روح تو مرنے کے بعد بھی باقی رہے گی اور ہمیشہ رہے گی، اور مال پر غور کیا جائے تو وہ بھی تو حق تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے، انسان تو اپنی پیدائش کے وقت خالی ہاتھ آیا تھا، اسی نے سب سامان اور مال و دولت کا اس کو مالک بنایا ہے، اپنے ہی عطیہ کو آخرت کی نعمتوں اور جنت کا معاوضہ بنا کر جنت دے دی، اسی لئے حضرت فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا کہ یہ عجیب بیع ہے کہ مال اور قیمت دونوں تمہیں ہی دے دیئے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ سنو! یہ کیسی نفع کی تجارت ہے جو اللہ نے ہر مومن کے لئے کھول دی ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں مال بخشا ہے تم اس میں سے تھوڑا خرچ کر کے جنت خرید لو۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ ....وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (جو توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے شکر بجالانے والے روزے رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے اچھی باتوں کی تعلیم دینے والے اور برے کام سے منع کرنے والے اور اللہ کی مقررہ حدود کی نگہداشت کرنے والے ہیں)، یہ صفات انہی مومنین کی ہیں جن کے بارے میں اوپر فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کی جان اور مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔نزول اس کا ایک خاص جماعت کے لئے ہے مگر مفہومِ آیت تمام مجاہدین فی سبیل اللہ کو شامل ہے۔بیعتِ عقبہ میں شامل ہونے والے تمام صحابہ کرامؓ کا یہی حال تھا۔

اَلسَّآءِحُوْنَ کے معنی مفسرین نے صائمون یعنی روزہ داروں سے کئے ہیں۔اصل میں یہ لفظ سیاحت سے ماخوذ ہے، اسلام سے پہلے دینِ نصرانیت میں سیاحت ایک عبادت سمجھی جاتی تھی کہ انسان اپنے گھر بار کو چھوڑ کر عبادت کے لئے کھڑا ہو۔اسلام نے اس کو رہبانیت قرار دیا اور اس کو منع کیا گیا اور اس کے قائم مقام روزہ کی عبادت مقرر کی گئی۔بعض روایات میں جہاد کو سیاحت قرار دیا گیا ہے۔ ابنِ ماجہ، حاکم اور بیہقی نے بسندِ صحیح نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سِیَاحَةُ اُمَّتِیْ اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی اس امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن میں جہاں سَآئِحِیْنَ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد صائمین ہیں۔حضرت عکرمہؓ نے سَآئِحِیْنَ کی تفسیر میں فرمایا

کہ یہ طالبِ علم ہیں طلبِ علم کے لئے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر نکلتے ہیں۔

اس جگہ مومنین مجاہدین کے اوصاف اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ سات چیزیں بیان فرمانے کے بعد آٹھواں وصف اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (اللہ کی مقررہ حدود کی نگہداشت کرنے والے ہیں) فرمایا، یہ درحقیقت تمام اوصافِ مذکورۂ سابقہ کا ایک جامع لفظ ہے، گویا سات اوصاف میں جو تفصیل بتلائی گئی اس کا اجمال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ہر کام اور کلام میں حدود اللہ یعنی احکامِ شرعیہ کے پابند ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

آخر آیت میں فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (اور ایمان والوں کو آپ خوش خبری سنادیں) یعنی جن مومنین کے یہ اوصاف ہوں جو اوپر بیان کئے گئے ان کو ایسی نعمتوں کی خوش خبری سنا دیجئے جن کو کسی کا وہم وخیال بھی نہیں پاسکتا، اور نہ کسی عبارت سے اس کو سمجھایا جاسکتا ہے اور نہ کسی کے کانوں نے ان کا تذکرہ سنا ہے، مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔ (معارف القرآن۔جلد چہارم)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مذکورہ بالا صفات پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۸) ایمان والے تو بس وہی ہیں۔۔۔۔۔(۱)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ○ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ○

(الانفال۔۲۔۴)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: بس ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب خدا کی آیتیں ان پر پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو قوی تر کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ وہ ایسے ہیں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں خرچ بھی کیا کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بڑے بڑے درجے ہیں اور عفو وبخشش ہے اور باعزت روزی ہے۔

مومن کی مخصوص صفات:

آیاتِ مذکورہ میں ان مخصوص صفات کا بیان ہے جو ہر مومن میں ہونا چاہیئے۔اس میں اشارہ ہے کہ ہر مومن اپنی ظاہری اور باطنی کیفیات اور صفات کا جائزہ لیتا رہے۔اگر یہ صفات اس میں موجود ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس نے اس کو مومنین کی صفات عطا فرما دیں اور اگر ان میں سے کوئی صفت موجود نہیں یا ہے مگر ضعیف و کمزور ہے تو اس کے حاصل کرنے یا قوی کرنے کی فکر میں لگ جائے۔

پہلی صفت خوفِ خدا:

پہلی صفت یہ بیان فرمائی اَلَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ یعنی جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت ان کے دلوں میں رچی اور بھری ہوئی ہے جس کا ایک تقاضا ہیبت وخوف ہے۔قرآنِ کریم کی ایک دوسری آیت میں اس کا ذکر کر کے اہلِ محبت کو بشارت دی گئی ہے وَبَشِّرِ الۡمُخۡبِتِیۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ یعنی خوش خبری دے دیجئے ان متواضع نرم خو لوگوں کو جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے۔اور دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کے ایک خاص تقاضہ کے ذکر ہے یعنی ہیبت اور خوف اور دوسری آیت میں ذکر اللہ کی یہ خاصیت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اس سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ یعنی اللہ ہی کی یاد سے دل مطمئن

ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں جس خوف و ہیبت کا ذکر ہے وہ دل کے سکون واطمینان کے خلاف نہیں جیسے کسی درندے یا دشمن کا خوف قلب کے سکون کو برباد کردیتا ہے ذکر اللہ کے ساتھ دل میں پیدا ہونے والا خوف اس سے بالکل مختلف ہے اور اسی لئے یہاں لفظ خوف استعمال نہیں فرمایا **وَجِل** کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس کا ترجمہ مطلق خوف نہیں بلکہ وہ ہیبت ہے جو بڑوں کی جلالت شان کے سبب دل میں پیدا ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جگہ اللہ کے ذکر اور یاد سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی گناہ کے ارتکاب کا ارادہ کررہا تھا، اسی حال میں اس کو خدا تعالیٰ کی یاد آگئی تو وہ اللہ کے عذاب سے ڈر گیا اور گناہ سے باز آگیا۔ اس صورت میں خوف سے مراد خوفِ عذاب ہی ہوگا۔

دوسری صفت ایمان میں ترقی:

جب اس کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ایمان بڑھ جاتا ہے۔ ایمان بڑھنے کے ایسے معنی جن پر سب علماء، مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے یہ ہیں کہ ایمان کی قوت و کیفیت اور نورِ ایمان میں ترقی ہوجاتی ہے۔ اور یہ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اعمالِ صالحہ سے ایمان میں قوت اور ایسا شرحِ صدر پیدا ہوجاتا ہے کہ اعمالِ صالحہ اس کی عادتِ طبعی بن جاتے ہیں جس کے چھوڑنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور گناہ سے اس کو طبعی نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایمان کے اس مقام کو

حدیث میں حلاوتِ ایمان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔کسی نے اس شعر میں اس کو بیان کیا ہے ؎

واذا حلت الحلاوۃ قلبا نشطت فی العبادۃ الاعضاء

(یعنی جب کسی دل میں حلاوتِ ایمان جگہ پکڑ لیتی ہے تو اس کے ہاتھ پیر اور سب اعضاء عبادت میں راحت ولذت محسوس کرنے لگتے ہیں)

تیسری صفت اللہ پر توکل:

توکل کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام اعمال واحوال میں اس کا مکمل اعتماد اور بھروسہ صرف ذاتِ واحد حق تعالیٰ پر ہو۔ صحیح حدیث میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ اپنی ضروریات کے لئے مادی اسباب اور تدابیر کو ترک کر کے بیٹھ جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مادی اسباب وآلات کو اصل کامیابی کے لئے کافی نہ سمجھے بلکہ بقدر قدرت وہمت مادی اسباب اور تدابیر کو فراہم کرنے اور استعمال کرنے کے بعد معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور سمجھے کہ اسباب بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتے ہیں۔ہوگا وہی جو وہ چاہیں گے۔ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اَجۡمِلُوۡا فِی الطَّلَبِ وَتَوَکَّلُوۡا عَلَیۡہِ۔ یعنی رزق اور اپنی حاجات کے حاصل کرنے کے لئے متوسط درجہ کی طلب اور مادی اسباب کے ذریعہ کوشش کرلو پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو۔اپنے دل دماغ کو صرف مادی تدبیروں اور اسباب

ہی میں نہ الجھا رکھو۔

چوتھی صفت اقامت الصلوٰۃ:

یہاں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں بلکہ نماز قائم کرنے کا ذکر ہے۔اقامت کے لفظی معنی کسی چیز کو سیدھا کھڑے کرنے کے ہیں۔اقامت الصلوٰۃ سے مراد نماز کو پورے آداب اور شرائط کے ساتھ اس طرح بجالائے جس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے قول وعمل سے بتائے ہیں۔آداب وشرائط میں کوتاہی ہو تو نماز پڑھنا تو کہہ سکتے ہیں لیکن اقامت الصلوٰۃ نہیں کہہ سکتے۔نماز کے جو فوائد اور آثار اور برکات ذکر کی گئی ہیں اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ یعنی نماز روکتی ہے بے حیائی اور ہر گناہ سے۔یہ بھی اقامتِ صلوٰۃ ہی پر موقوف ہے۔جب نماز کے آداب میں کوتاہی ہوئی تو گو فتویٰ کی رو سے اس کی نماز کو جائز ہی کہا جائے مگر نماز کی برکات میں کوتاہی کی مقدار پر فرق پڑ جائے گا۔اور بعض صورتوں میں ان برکات سے کلی طور پر محرومی ہو جائے گی۔

پانچویں صفت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا:

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کو رزق دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا عام ہے تمام صدقات وخیرات اور وقف وصِلَہ کو جس میں زکوٰۃ، صدقۃ الفطر وغیرہ واجباتِ شرعی بھی داخل ہیں اور نفلی صدقات وتبرّعات بھی۔مہمانوں، دوستوں، بزرگوں کی مالی خدمت بھی۔

مردِ مومن کی یہ پانچ صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا یعنی ایسے ہی لوگ سچے مومن ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں اور زبان اور دل متفق ہیں ورنہ جن میں یہ صفات نہیں وہ زبان سے تو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے ہیں مگر ان کے دلوں میں نہ توحید کا رنگ نہ اطاعتِ رسول کا۔ ان کے اعمال ان کے اقوال کی تردید کرتے ہیں۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے جب وہ حاصل نہ ہو حق حاصل نہیں ہوتا۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ اے ابو سعید کیا آپ مومن ہیں تو آپ فرمایا کہ بھائی ایمان دو قسم کے ہیں۔ تمہارے سوال کا مطلب اگر یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر اور جنت دوزخ اور قیامت اور حساب کتاب پر ایمان رکھتا ہوں تو جواب یہ ہے کہ بیشک میں مومن ہوں۔ اور اگر تمہارے سوال کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ مومن کامل ہوں جس کا ذکر سورۂ انفال کی آیات میں ہے تو مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں ان میں داخل ہوں یا نہیں۔ سورۂ انفال کی آیات سے وہی آیات مراد ہیں جو ابھی آپ نے سنی ہیں۔

آیاتِ مذکورہ میں سچے مومن کی صفات و علامات بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ (ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بڑے بڑے درجے ہیں اور عفو و بخشش ہے اور

باعزت روزی ہے)۔

تفسیرِ بحرمحیط میں سچے مومن کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ تین قسم کی ہیں۔ایک جن کا تعلق قلب اور باطن کے ساتھ ہے جیسے ایمان، خوفِ خدا اور توکل علی اللہ۔دوسرے جن کا تعلق جسمانی اعمال سے ہے جیسے نماز۔تیسرے وہ جن کا تعلق انسان کے مال سے ہے۔ان تینوں قسم کے بالمقابل تین انعاموں کا ذکر آیا ہے۔درجاتِ عالیہ، قلبی و باطنی صفات کے مقابلہ میں اور مغفرت ان اعمال کے مقابلہ میں جو انسان کے ظاہر بدن سے متعلق ہیں۔اور رزقِ کریم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بالمقابل۔جو کچھ خرچ کیا اس سے بہتر اور بہت زیادہ اس کو آخرت میں ملے گا۔ (معارف القرآن۔جلد چہارم)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۱۹) ایمان والے تو بس وہی ہیں۔۔۔۔۔(ب)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِہِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْہُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَہُمُ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَہُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (النور۔ ۶۲، ۶۳)
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: کامل مومن تو بس وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب کبھی رسول کے پاس کسی ایسے اہم کام کے لئے جمع ہوتے ہیں جس کے لئے اجتماع کیا گیا ہے تو جب تک رسول سے اجازت نہ لے لیں وہاں سے نہیں جاتے بیشک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے

رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں سوائے پیغمبر جب یہ لوگ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے جانے کی اجازت طلب کیا کریں تو آپ ان میں جس کو چاہے جانے کی اجازت دے دیا کیجئے اور ان کے لئے خدا سے بخشش کی دعا کر دیا کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا معمولی بلانا نہ سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلالیا کرتے ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے کسی کی آڑ میں ہو کر چپکے سے بلا اجازت کھسک کر جایا کرتے ہیں لہٰذا وہ لوگ جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ ان پر کوئی آفت آپڑے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس کے خصوصی اور عام معاشرت کے بعض آداب واحکام:

پہلا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو کسی دینی جہاد وغیرہ کے لئے جمع کریں تو مقتضائے ایمان یہ ہے کہ سب جمع ہو جائیں اور آپ کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت کے نہ جائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت ہے کہ کوئی خاص حرج اور ضرورت نہ ہو تو اجازت دے دیا کریں۔ یہ آیت غزوۂ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود اور تمام صحابہ کرامؓ خندق کھودنے میں مصروفِ کار تھے، مگر منافقین اول تو آنے میں سستی کرتے اور پھر آکر بھی معمولی سا کام دکھانے کے لئے کر لیتے اور پھر چپکے سے غائب ہو جاتے۔ اس کے خلاف

مومنین سب کے سب محنت کے ساتھ لگے رہتے۔ کوئی مجبوری اور ضرورت پیش آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اجازت لے کر جاتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ایک سوال اور جواب:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت سے جانا حرام ہے۔ حالانکہ صحابہ کرامؓ کے بیشمار واقعات ہیں جن میں وہ آپ کی مجلس میں ہوتے اور جب چاہتے چلے جاتے۔ اجازت لینا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ یہ عام مجلس کا حکم نہیں بلکہ اس وقت کا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو کسی ضرورت سے جمع کیا ہو۔ آیت کے لفظ عَلٰٓی اَمۡرٍ جَامِعٍ (امر جامع سے مراد وہ کام ہے جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کو جمع کرنا ضروری سمجھیں اور کسی خاص کام کے لئے جمع فرمائیں) میں اشارہ موجود ہے۔

یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس کے لئے مخصوص ہے یا عام ہے:

باتفاقِ فقہاء یہ حکم یہ دینی اور اسلامی ضرورت کے لئے جاری کیا گیا ہے اور ایسی ضرورتیں ہر زمانہ میں ہوسکتی ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ہر امام وامیر جس کے قبضہ میں زمامِ حکومت ہو اس کا اور اس کی ایسی مجلس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ سب کو جمع ہونے کا حکم دیں تو اس کی تعمیل واجب اور واپس جانا بغیر اجازت ناجائز ہے۔

(قرطبی، مظہری، بیان القرآن)

دوسرا حکم لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ (تم لوگ رسول کے بلانے کو ایسا معمولی بلانا نہ سمجھو)، دعائے رسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بلانا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب لوگوں کو بلائیں تو اس کو عام لوگوں کے بلانے کی طرح نہ سمجھو کیونکہ اس میں آنے اور نہ آنے کا اختیار رہتا ہے بلکہ اس وقت آنا فرض ہوجاتا ہے اور بغیر اجازت جانا حرام ہوجاتا ہے۔ فاعل کی طرف اضافت کرکے یہ معنی مظہری اور بیان القرآن میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی دوسری تفسیر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ابنِ کثیر اور قرطبی وغیرہ نے یہ نقل کی ہے کہ دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ سے مراد لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کسی کام کے لئے پکارنا اور بلانا ہے (جو نحوی ترکیب میں اضافت الی المفعول ہوگی)۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلاؤ یا مخاطب کرو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لے کر یا محمد! نہ کہو کہ بے ادبی ہے بلکہ تعظیمی القاب کے ساتھ یا رسول اللہ! یا نبی اللہ! کہا کرو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمانوں پر واجب ہونا ہے اور جو چیز ادب کے خلاف ہو یا جس سے آپ کو تکلیف پہنچے اس سے بچنا ہے۔ سورۂ حجرات میں جیسے کہا گیا لَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بات کرو تو ادب کی رعایت رکھو، ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے باتیں نہ کرو جیسے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھر میں تشریف رکھتے ہوں تو باہر سے آواز دے کر نہ بلاؤ، بلکہ باہر تشریف لانے کا انتظار کرو۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ

يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ یعنی جولوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔

تنبیہ:

ایک عام ادب بزرگوں اور بڑوں کا بھی معلوم ہوا کہ اپنے بزرگوں بڑوں کوان کا نام لے کر پکارنا اور بلانا بے ادبی ہے تعظیمی لقب سے مخاطب کرنا چاہیئے۔

(معارف القرآن-جلد ششم)

(۲) اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْآ اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○

(النور-۵۱،۵۲)

ترجمہ: مخلص مسلمانوں کی بات تو بس یہ ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلایا جاتا ہے کہ رسول ان کے مابین فیصلہ کردے تو وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور یہی لوگ ہیں حقیقی فلاح پانے والے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی اور ناراضگی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے۔

مخلص مسلمانوں کی بات تو بس یہ ہے کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلایا جاتا ہے کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کردے تو

وہ انبساطِ قلب کے ساتھ یہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور قبول کیا اور یہی لوگ حقیقی فلاح پانے والے ہیں، یعنی منافقین کی حالت تو معلوم ہو چکی اس کے مقابلہ میں ایمان والوں کی یہ حالت ہے کہ جب ان کو فصل خصومات کے سلسلہ میں طلب کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول تمہارے مقدمہ کا فیصلہ کرے گا تو یہ اہلِ ایمان سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا (ہم نے سنا اور اطاعت کی) کہتے ہوئے دوڑے چلے آتے ہیں ایسے ہی لوگ دین و دنیا میں فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کی مخالفت اور ناراضگی سے بچتا رہے پس ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور برے راستے سے بچتے رہنا یہی باتیں دین و دنیا میں کامیابی اور حصولِ مراد کی ضامن ہیں۔ (کشف الرحمن)

فوز و فلاح کے لئے چار شرطیں:

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَخۡشَ اللّٰهَ وَيَتَّقۡهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ○ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی اور ناراضگی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے) اس آیت میں چار چیزیں بیان کر کے فرمایا ہے کہ جو ان چار چیزوں کے پابند ہیں وہ ہی بامراد اور دین و دنیا میں کامیاب ہیں۔

ایک واقعۂ عجیبہ:

تفسیرِ قرطبی میں اس جگہ ایک واقعہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نقل کیا جس سے ان چاروں چیزوں کے مفہوم کا فرق اور وضاحت ہو جاتی ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک روز مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کھڑے تھے کہ اچانک ایک رومی دہقانی آدمی بالکل آپ کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگا میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں۔ آپ نے پوچھا اس کا کوئی سبب ہے؟ اس نے کہا ہاں! بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور اور انبیائے سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ چھوٹی سی آیت نے تمام کتبِ قدیمہ کو اپنے اندر سمو لیا ہے تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ تو اس نے یہی آیتِ مذکورہ تلاوت کی اور اس کی تفسیر بھی عجیب وغریب اس طرح بیان کی کہ مَنْ يُّطِعِ اللهَ فرائضِ الٰہیہ سے متعلق ہے اور وَرَسُوْلَهٗ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق ہے اور وَيَخْشَى اللهَ گذشتہ عمر کے متعلق ہے اور وَيَتَّقْهِ آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے۔ جب انسان ان چاروں چیزوں میں کامل ہو جائے تو اس کو اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ کی بشارت ہے۔ اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اس کو ٹھکانا

ملے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام میں اس کی تصدیق موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اُوْتِیْتُ جَوَامِعُ الْکَلِمِ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں۔ (قرطبی)

(۳) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ (الحجرات۔۱۵)

ترجمہ: کامل ایمان والے تو بس وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کبھی شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں مشقتیں برداشت کیں یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

کامل ایمان والے تو بس وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کبھی شک وشبہ نہیں کیا۔ یعنی ہمیشہ ایمان پر قائم رہے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مشقتیں برداشت کیں اور جہاد کیا یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔ یعنی تم تو کاذب ہو کہ جھوٹ بولے ایمان کا اور ایمان تھا نہیں۔ سچے اور پورے ایمان دار تو وہ لوگ ہیں جو تصدیقِ قلبی کے ساتھ ایمان لائیں اور زبان سے اقرار کریں اور جہاد میں اپنی جان اور مال لڑا دیں۔ تو یہ لوگ سچے اور کامل ایمان والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اعمال میں کچھ کوتاہی بھی ہو مگر

تصدیقِ قلبی تو ہو جب بھی تم کو صادق کہا جا سکتا تھا لیکن یہاں تو تصدیق ہی مفقود ہے بلکہ جھوٹ بول کر دھوکہ دینا مقصود ہے تو تم کو مومن کس طرح کہا جا سکتا ہے اور صادقوں میں سے ہونا تو بہت اونچی چیز ہے۔ (کشف الرحمن)

ان آیات کا نزول امام بغویؒ کی روایت کے مطابق قبیلۂ بنی اسد کے چند آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک قحط شدید کے زمانہ میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ دل سے مومن نہیں تھے محض صدقات حاصل کرنے کے لئے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا۔ راستوں پر غلاظت اور نجاست پھیلادی، بازاروں میں اشیائے ضرورت کی قیمتیں بڑھادیں، ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دھوکہ دینا چاہا، آپؐ پر احسان جتایا کہ دوسرے لوگ تو آپ سے برسرِ پیکار رہ کر جنگیں لڑیں اور مسلمان ہوئے ہم بغیر جنگ کے خود آپ کے پاس مسلمان ہو کر حاضر ہوئے ہیں۔ اس لئے ہماری قدر کرنی چاہیئے۔ یہ شانِ رسالت میں گستاخی تھی۔ (معارف القرآن۔جلد ہشتم)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچے اور پکے ایمان والے بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باسمہٖ تعالیٰ

(۲۰) فلاح پانے والے ایمان والوں کی صفات

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ
ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ
ھُمْ لِفُرُوْجِہِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ
فَاِنَّہُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ
الْعٰدُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِہِمْ وَعَہْدِہِمْ رٰعُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ ھُمْ
عَلٰی صَلَوٰتِہِمْ یُحَافِظُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ
الْفِرْدَوْسَ ھُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ○ (المومنون۔۱۔۱۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ
الشّٰہِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ۔

ترجمہ: یقیناً وہ ایمان والے کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں اظہارِ عجز و نیاز کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو بیکار اور لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنے ہاتھ کے مال یعنی باندیوں سے تو ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔

پھر جو کوئی ان بیویوں اور باندیوں کے علاوہ کوئی اور راہ تلاش کرے تو یہی لوگ ہیں حد سے تجاوز کرنے والے اور وہ جو اپنے پاس رکھی ہوئی امانتوں کی اور اپنے عہد کی نگہداشت کرنے والے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی پابندی کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔ جو فردوسِ بریں کی میراث پائیں گے وہ اس فردوس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ جنت کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہے۔ فرشتے اس میں داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ واہ واہ یہ تو بادشاہوں کی جگہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا گارہ مشک کا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس میں وہ چیزیں ہیں جو کسی کی آنکھ نے نہیں دیکھیں اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال آیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جنت نے جب ان آیتوں کی تلاوت کی تو جنابِ باری نے فرمایا کہ مجھے اپنی بزرگی اور جلال کی قسم تجھ میں بخیل ہرگز داخل نہیں ہوسکتا۔ (ابنِ کثیر)

فلاح کیا چیز ہے؟

فلاح قرآن وسنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے اور اذان واقامت میں ہر مسلمان کو پانچ وقت اسی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ فلاح کے معنی یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور ہو۔ (قاموس)

یہ لفظ جتنا مختصر ہے اتنا جامع بھی ہے کہ کوئی شخص اس سے زیادہ کسی کی

خواہش نہیں کر سکتا۔ مکمل فلاح کہ ایک مراد بھی ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو اور ایک تکلیف بھی ایسی نہ رہے جو دور نہ ہو۔ دنیا کے بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا تو دار التکلیف و دار المحنت ہے۔ یہ متاعِ گرانمایہ دوسرے عالم میں ملتی ہے جس کا نام جنت ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (سورۂ حم سجدہ۔۳۱) (اور وہاں تمہارے لئے ہر وہ چیز موجود ہو گی جس کا تمہارا دل خواہش کرے گا اور وہاں جو تم طلب کرو گے وہ تم کو ملے گا)۔

خلاصہ یہ کہ کامل و مکمل فلاح تو صرف جنت میں مل سکتی ہے دنیا اس کی جگہ ہے ہی نہیں۔ البتہ اکثر حالات کے اعتبار سے فلاح یعنی بامراد ہونا اور تکلیفوں سے نجات پانا یہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ آیاتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مومنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات کے اندر آیا ہے۔ یہ فلاحِ عام اور شامل ہے جسمیں آخرت کی کامل مکمل فلاح بھی داخل ہے اور دنیا میں جس قدر فلاح حاصل ہونا ممکن ہے وہ بھی۔

لیکن دنیا میں فلاح بظاہر تو کفار اور فجار کا حصہ بنی ہوئی ہے۔ اور ہر زمانہ کے انبیاء اور ان کے بعد صلحائے امت عموماً تکلیف میں مبتلا رہے۔ جواب ظاہر ہے کہ دنیا میں مکمل فلاح کا وعدہ تو نہیں ہے کہ کوئی تکلیف پیش نہ آئے بلکہ کچھ کچھ تکلیف تو یہاں صالح متقی کو بھی اور کافر فاجر کو بھی پیش آنا ناگزیر ہے۔ دنیا کا تجربہ اور مشاہدہ

ہے کہ جو اہلِ صلاح ان سات اوصاف کے حامل اور ان سے متصف اور قائم ہیں ان کو دنیا میں وقتی تکلیف پیش آجائے مگر انجام کار ان کی مراد حاصل ہوجاتی ہے۔دنیا میں ان کا نیک نام باقی رہتا ہے۔کافر و فاسق کو بہر حال ان کی مراد حاصل ہو یا نہ ہو انجام کار تو نہایت بدترین ہوتا ہے یعنی جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہنا پڑتا ہے اس لئے فلاح کا اعتبار انجام کے اعتبار سے ہے۔

(وصفِ اول) نماز میں خشوع وخضوع:

سب سے پہلا وصف تو مومن ہونا ہے جو ایمان والا جو اللہ اور رسول کی باتوں پر یقین کر کے ان کی باتوں پر چلنے والا ہوتا ہے یہی اصلِ اصول ہے۔اس کے علاوہ سات اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔اول چیز تو نماز میں خشوع کرنے کے ہیں۔اصطلاحِ شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں سکون ہو یعنی غیر اللہ کا خیال بالقصد نہ لائے۔اعضائے بدن میں بھی سکون ہو، فقہاء نے وہ حرکتیں جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے اس کو مکروہاتِ نماز میں جمع کیا ہے۔حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نظر اور آواز کو پست رکھنے کا نام خشوع ہے۔حضرت علیؓ نے فرمایا کہ دائیں بائیں التفات سے بچنا خشوع ہے۔حضرت عطاؒ نے فرمایا کہ بدن کے کسی عضو سے کھیل نہ کرنا خشوع ہے۔حدیث میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب وہ دوسری طرف التفات

کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے رخ پھیر لیتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ رکھواور نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اگراس کے دل میں خشوع ہوتا تو اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔امام غزالیؒ وقرطبیؒ اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نماز میں خشوع فرض ہے۔

حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ خشوع صحتِ نماز کے لئے موقوف علیہ تونہیں اوراس درجہ میں وہ فرض نہیں مگر قبولِ نماز کا موقوف علیہ اوراس مرتبہ میں فرض ہے حدیث میں طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے کوئی چیز اس امت سے اٹھ جائے گی یعنی سلب ہوجائے گی وہ خشوع ہے یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئے گا۔

(وصفِ دوم) لغو سے پرہیز کرنا:

لغو کے معنی فضول کلام یا کام جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر ونقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے،اورادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر،اسکا ترک کم ازکم اولیٰ اور موجبِ مدح ہے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا من حسن

اسلام المرا ترکہ مالا یعنیہ یعنی انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جو بے فائدہ ہیں۔

(وصفِ سوم) زکوٰۃ:

لفظ زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں۔اصطلاح میں مال کا کچھ خاص حصہ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔قرآنِ کریم میں عام طور پر یہ لفظ اسی اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے۔چونکہ مکہ میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی تھی ہجرت کے بعد فرض ہوئی۔اس کا جواب ابنِ کثیر نے دیا ہے کہ زکوٰۃ تو فرض مکہ میں ہوئی تھی اس کی تفصیلات مدینہ میں بیان کی گئی ہیں۔جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ زکوٰۃ مدینہ میں فرض کی گئی ان کا خیال ہے کہ یہاں زکوٰۃ کا معنی اپنے نفس کو پاک کرنا ہے۔اس لئے ایتاء الزکوۃ کے بجائے للزکوۃ فاعلون استعمال کیا گیا ہے۔زکوٰۃ سے تزکیۂ نفس مراد ہے یعنی اپنے نفس کو رزائل سے پاک کرنا ہے، وہ بھی فرض ہے کیونکہ شرک، ریاء، تکبر، حسد، بغض، حرص و بخل جن سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے یہ سب چیزیں حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں۔

(وصفِ چہارم) شرمگاہوں کی حفاظت کرنا:

یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق شہوتِ نفس پوری کرنے کے علاوہ اور کسی سے کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں

مبتلا نہیں ہوتے۔ اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ یعنی شرعی قاعدہ کے مطابق اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوتِ نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں اس میں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے مقصدِ زندگی بنانا نہیں اس کا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابلِ ملامت نہیں۔ واللہ اعلم۔

بیوی یا لونڈی کے ساتھ قضائے شہوت کے علاوہ کوئی صورت بھی شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں ہے۔ اس میں زنا، یا بیوی یا لونڈی سے حیض ونفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا، کسی مرد یا لڑکے سے یا کسی جانور سے جماع کرنا، اور جمہور کے نزدیک استمنا بالید (اپنے ہاتھ سے منی نکالنا) بھی داخل ہے۔

(وصفِ پنجم) امانات کا حق ادا کرنا:

لفظ امانت کے لغوی معنی ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد و بھروسہ کیا گیا ہو۔ اس کو بصیغۂ جمع یعنی امانات لایا گیا ہے تاکہ سب قسموں کو شامل ہو جائے خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق ہوں۔ حقوق اللہ سے متعلق امانات میں تمام شرعی فرائض و واجبات کو ادا کرنا ہے اور تمام محرمات سے اور مکروہات سے پرہیز کرنا ہے۔ حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت کا داخل ہونا تو معروف ہے، امانت

کے معنی کسی شخص نے کسی شخص کے پاس اپنا مال امانت کے طور پر رکھ دیا ہو اس کی حفاظت اور اس کو واپس کرنے کی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ کسی کا راز بھی امانت ہے۔ بغیر شرعی اذن کے فاش کرنا امانت میں خیانت ہے۔ مزدور اور ملازم کو جو کام سپرد کیا گیا ہے اس کے لئے جتنا وقت خرچ کرنا باہم طے ہو گیا ہے اس کو پورا کرنے کا حق ادا کرنا اور ملازمت میں جتنا وقت لگانا مقرر ہے اس کو اسی کام میں لگانا امانت ہے۔ کام کی چوری یا وقت کی چوری خیانت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت کی حفاظت اور اس کا حق ادا کرنا بڑا جامع مفہوم رکھتا ہے۔

(وصفِ ششم) عہد کو پورا کرنا:

عہد ایک تو معاہدہ ہوتا ہے جو دو طرف سے کسی معاملہ کے سلسلہ میں لازم قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا پورا کرنا فرض ہے، اس کے خلاف کرنا غدر اور دھوکہ ہے۔ پورا نہ کرنے پر دوسرا آدمی اس کو بذریعہ عدالت مجبور کر سکتا ہے۔ دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں یعنی ایک طرفہ صورت۔ اس کو پورا کرنا بھی شرعاً لازمی اور واجب ہے۔ حدیث میں ہے العدۃ دین یعنی وعدہ ایک قسم کا قرض ہے۔ بلا عذر شرعی اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔ وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بذریعہ عدالت مجبور نہیں کیا جا سکتا دیانۃً اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

(وصفِ ہفتم) نماز کی حفاظت:

نماز کی محافظت سے مراد اس کی پابندی کرنا، اس کو وقتِ مستحب میں ادا

کرنا ہے۔صلوات جمع کا صیغہ لایا گیا ہے،اس سے مراد پانچ وقت کی نمازیں ہیں، جن کو اپنے وقتِ مستحب میں پابندی سے ادا کرنا مقصود ہے۔غور کیا جائے تو ان سات اوصافِ مذکورہ میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد اور ان سے متعلقہ احکام آجاتے ہیں۔جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصل ہو اور اس پر قائم رہے وہ مومن کامل فلاح دنیا وآخرت کا مستحق ہے۔یہ بات قابلِ نظر ہے کہ ان سات اوصاف کو شروع بھی نماز سے کیا گیا اور ختم بھی نماز سے کیا گیا۔اس میں اشارہ ہے کہ نماز کی طرح پابندی اور آداب کے ساتھ ادا کیا جائے تو باقی تمام اوصاف خودبخود پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ (یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوسِ بریں کی میراث پائیں گے وہ اس فردوس میں ہمیشہ رہیں گے)۔اوصافِ مذکورہ کے حامل لوگوں کو اس آیت میں جنت الفردوس کا وارث فرمایا ہے لفظ وارث میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح مورث کا مال اس کے وارث کو پہنچنا قطعی اور لازمی ہے اسی طرح ان اوصاف والوں کا جنت میں داخلہ یقینی ہے اور قد افلح (بیشک فلاح پائی ہے) کے بعد اوصافِ مفلحین (فلاح پانے والوں کے اوصاف) پورے ذکر کرنے کے بعد اس جملہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ فلاحِ کامل اور اصلی فلاح کی جگہ جنت ہی ہے۔

(معارف القرآن۔جلد ششم)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں جنت الفردوس کا وارث بنائے۔آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شجرۂ منظومہ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کے واسطے
اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے

اور سب اصحاب و آل مجتبیٰ کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے

سید محمود قادری طبیب وریٰ کے واسطے
شاہ قمر الزماں ضیاء الھدیٰ کے واسطے

شاہ وصی اللہ باقی فالفنا کے واسطے
مولوی اشرف علی شمسُ الھدیٰ کے واسطے

حاجی امداداللہ ذُولعطا کے واسطے
حضرت نور محمد پُرضیا کے واسطے

حاجی عبدالرحیم اہل غزا کے واسطے
شیخ عبدالباری شہ بے ریا کے واسطے

شاہ عبدالہادی پیر ہدیٰ کے واسطے
شاہ عضدالدین عزیز دوسرا کے واسطے

شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
شہ محبُ اللہ شیخ باصفا کے واسطے

بوسعید اسعد شہ اہل ورا کے واسطے
شہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے

شہ جلال الدین جلیل اصفیا کے واسطے
عبدقدوس شہ صدق وصفا کے واسطے

اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے
شیخ محمد عارف صاحب عطا کے واسطے

احمد عبدالحق شہ ملک بقا کے واسطے
شہ جلال الدین کبیر اولیا کے واسطے

شیخ شمس الدین ترک باضیا کے واسطے
شیخ علاءالدین صابر بارضا کے واسطے

شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلا کے واسطے

شہ معین الدین حبیب کبریا کے واسطے خواجہ عثمان با شرم وحیا کے واسطے
شہ شریف زندنی بااتقا کے واسطے خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بویوسف شہ شاہ وگدا کے واسطے بومحمد محترم شاہ ولا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے واسطے شیخ ابواسحٰق شامی خوش ادا کے واسطے
خواجہ ممشاد علوی بوالعلا کے واسطے بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کے واسطے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہ صفا کے واسطے شیخ ابراہیم ادھم بادشاہ کے واسطے
شہ فضیل ابن عیاض اہل دعا کے واسطے خواجہ عبدالواحد ابن زید شاہ کے واسطے
شیخ حسن بصری امام اولیا کے واسطے ہادی عالم علی شیر خدا کے واسطے
سرور عالم محمد مصطفی کے واسطے یا الٰہی اپنی ذات کبریا کے واسطے
یاحق اپنے عاشقان باوفا کے واسطے یارب اپنے رحم واحسان وعطا کے واسطے
کر رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے کون ہے تیرے سوا مجھ بینوا کے واسطے
ہے عبادتوں کا سہارا عابدوں کے واسطے ہے عصائے آہ مجھ بے دست وپا کے واسطے
بخش وہ نعمت جو کام آئے سدا کے واسطے اپنے لطف ورحمت بے انتہا کے واسطے

☆☆☆☆تمت بالخیر☆☆☆☆

ڈاکٹر سید محمود قادری کی تالیفات

۱) توفیق ایزدی:

خودنوشت سوانح حیات جس میں انہوں نے پہلے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ کن علماء سے دینی تعلیم حاصل کی پھر حق کی یافت اور مردان حق کی شناخت کے بعد یہاں کے گمراہ عقائد کا کس طرح رد کیا ہے، بڑی دلچسپ اور قابلِ مطالعہ داستاں ہے۔

۲) چالیس اصلاحی مقالات:

گذشتہ دس سالوں کے دوران اہم مضامین پر جو پمفلٹ آپ نے لکھے یہ ان کا مجموعہ ہے۔ اختصار اور جامعیت کے ساتھ موضوع کے متعلق معلومات کو اس طرح ترتیب دیا ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔دین کی حقیقت سے واقف ہونے کے لئے ان کا مطالعہ ضروری ہے۔

۳) مجالس معرفت (جلد اوّل و دوُم و سوُم و چہارم و پنجم و ششم):

''خانقاہِ قادریہ'' میں گذشتہ پندرہ سالوں سے ہر سنیچر بعد نمازِ عشاء جو مجالس ہوتی ہیں ان کے بیانات کا مجموعہ ہے۔دین اور سلوک کے متعلق چشم کشا معلومات سے لبریز ہیں۔

۴) ایمان اور کفر:

بمقام خانقاہِ قادریہ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ میں روزانہ بعد نمازِ عصر جو دروسِ قرآن ہوئے ان کا موضوع ایمان اور کفر تھا، یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے ایمان کی حقیقت جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

۵) الاربعینات:

گذشتہ چالیس سال سے آپ کا درسِ حدیث روزانہ بعد نمازِ مغرب جامعہ مسجد میں ہو رہا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اخلاصِ نیت کی چالیس احادیث، داخلۂ جنت کی چالیس احادیث اور داخلۂ جہنم کی چالیس احادیث جمع کی ہیں۔

۶) خطباتِ قادریہ (جلد اوّل ودوُم وسوُم):

گذشتہ پینتالیس سال سے آپ کے جمعہ کے خطبات مختلف مساجد میں ہو رہے ہیں۔ خطبۂ جمعہ سے پہلے آپ کے جو بیانات ہوتے ہیں، نہایت جامع، موثر اور چشم کشا ہوتے ہیں۔ ہر جلد چالیس بیانات کے مجموعہ پر مشتمل ہے۔ ائمۂ مساجد کے لئے جمعہ کے خطبے سے پہلے بیان کرنے کے لئے ایک نادر تحفہ ہے۔

۷) ہدایت اور گمراہی:

رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ میں بعد عصر روزانہ جو مجالس ''خانقاہِ قادریہ'' میں ہوئیں ان کا موضوع ہدایت اور گمراہی تھا، اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ کس کو ہدایت دیتے ہیں اور کس کو گمراہ کرتے ہیں۔

۸) مکتوباتِ اکابر:

ڈاکٹر صاحب کی زمانۂ طالبِ علمی سے اب تک اکابر علماء سے مختلف مسائل میں جو مراسلت رہی ہزاروں خطوط پر مشتمل ہے، ان میں سے وہ خطوط جو سب کے لئے نفع مند ہو سکتے ہیں شائع کئے جا رہے ہیں۔

۹) قرآنِ کریم میں جہاد وقتال کی آیات:

شرح مشکوٰۃ ''توضیحات'' (مولفہ حضرت مولانا فضل محمد صاحب دامت برکاتہم) میں ہے کہ قرآنِ کریم میں کسی عمل کے تعلق سے سب سے زیادہ آیات ہیں تو جہاد وقتال کے تعلق سے ہیں۔ ناچیز نے تمام قرآنی آیات کو جمع کر کے مستند ترجمہ اور متفق علیہ تفسیر لکھ دی ہے۔

۱۰) ملفوظاتِ رمضان ۱۴۴۱ھ:

رمضان المبارک میں نمازِ عصر کے بعد خانقاہِ قادریہ میں جو مجالس ہوئیں ان کا موضوع قرآنِ حکیم تھا۔ چالیس ابواب میں فہمِ قرآن کے تعلق سے اہم اصول بیان کئے گئے ہیں۔

مولف کتاب ڈاکٹر سید محمود قادری کا مختصر تعارف

وظیفہ یاب گورنمنٹ میڈکل آفسر وطن: ضلع بیجاپور، ریاست کرناٹک

سلسلۂ نسب ۲۲ پشتوں پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جا کر ملتا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں عربی زبان سیکھ کر قرآن وحدیث کا ترجمہ کرنے کے قابل ہو گئے تھے اور اسی زمانے میں دارالقرأت والدّینیات الکلیمیہ حیدرآباد سے تجوید کی سند حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے اکابر علماء سے خصوصاً حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تعلق رہا۔

طب کی (یم۔بی۔بی۔ایس) کی تکمیل کے بعد حفظ قرآن بھی کیا۔ شہر بیجاپور میں گذشتہ ۴۰ سال سے آپ کے خطبات اور قرآن وحدیث کے دروس کا سلسلہ چل رہا ہے۔ حق کی یافت اور مردان حق کی شناخت کے بعد احقاق حق اور ابطال باطل کا بے مثال فریضہ انجام دیا اور تاحال انجام دے رہے ہیں۔

۲۰۰۵ء میں حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم سے خلافت واجازت سے سرفراز ہونے کے بعد ''خانقاہِ قادریہ'' قائم کی، جہاں پابندی سے مجالس کا سلسلہ چل رہا ہے۔ روزانہ ۱۰، ۱۲ گھنٹے دینی کتب کا مطالعہ ہے اور ۱۹۸۹ء سے (جب آپ کا تبادلہ گلبرگہ سے بیجاپور ہوا) ہر تین روز میں ایک ختم قرآن آپ کا معمول ہے۔ روزانہ چار مساجد میں آپ کے درس قرآن اور درس حدیث بھی پابندی سے ہو رہے ہیں۔ یہاں کے ہر خاص وعام کے لئے آپ کا وجود مسعود حجة اللّٰہ فی الارض (زمین پر اللہ کی حجت) ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(ماخوذ: از توفیقِ ایزدی)

جاری کردہ:

خانقاہِ قادریہ، گوڈیہال کالونی جامع مسجد وجے پور (کرناٹک)